مؤمنینِ اہلسنّت کو اسلامی سال نو ۱۴۱۲ھ مبارک!

اگست ۱۹۹۱ء

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

ارشادِ گرامی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ

★ ذلّت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے!

● ابن زیاد — کے ہاتھ پر — یزید کی بیعت — ؟ تو خدا کی قسم! یہ بات میری موت کے بعد ہی ممکن ہے! ہاں! اگر باعزت طریقہ سے معاملہ فہمی مقصود ہے تو پھر مدینہ کو واپسی یا سرحد پر چلے جانے کے علاوہ تیسری صورت ہے۔

● مجھے یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں، پھر وہ میرے متعلق جو مناسب سمجھے گا خود فیصلہ کرے گا۔ [البدایہ لابن کثیر ج۸ ص۱۷۰]

..... اور یا میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہؓ کے ہاتھ میں رکھ دوں تو وہ میرے اور اپنے بارے میں جو مناسب ہو — رائے قائم کرے گا [تاریخ الامم والملوک للطبری ج۶ ص۲۳۵]

● سیدنا — حسینؓ سے پختہ روایت ہے: آپ نے کمانڈر کوفہ عمر بن سعدؓ سے فرمایا! میری تین باتوں میں سے ایک پسند کر لو (۱) یا میں اس جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں سے آیا ہوں (۲) یا یہ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں جبکہ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے۔ تو وہ میرے متعلق اپنی رائے خود قائم کرے گا (۳) یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف روانہ کر دو تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا۔ پھر جو نفع اور آرام وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا وہی مجھے بھی مل جائیگا اور جو نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں کو ہوگی وہی مجھے پہنچے گی۔

شیعوں کی معتبر کتاب — الشافی مع التلخیص ص۱۷۱ ج۴ طبع ایران — تصنیف السید ابی القاسم علی بن الحسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن زین العابدین علی الاوسط بن السبط سیدنا الحسین بن — سیدنا علی بن ابی طالب علیہم الرضوان]

● اے کاش! یہ شرائط نامہ طے ہو جاتا تو امت کو مظلومی حسینؓ کا روزِ غم دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نہ — یزید ہی کے لئے سب و شتم اور لعن طعن کا دروازہ کھلتا! بہر حال جناب سیدنا حسینؓ کا قول و عمل ہمارے لئے ایک دائمی درس عبرت و غیرت ہے! خدائے پاک ہمیں شہید کربلا کی سچی پیروی نصیب فرمائیں — آمین —!

افکارِ احرار

تاریخ کی سچائی

مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہو گا!۔ لیکن یہ پاکستان وہ پاکستان نہیں ہو گا جو دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے ذہنوں میں اس وقت موجود ہے۔ اور جس کے لئے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

بات جھگڑے کی نہیں۔ سمجھنے اور سمجھانے کی ہے۔ سمجھا دو مان لوں گا۔ لیکن تحریک پاکستان کی قیادت کرنے والوں کے قول و فعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے۔ اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلا دے کہ کل ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچہ میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے۔ تو رب کعبہ کی قسم! میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔۔۔۔۔۔! لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے وہ دس کروڑ کی انسانی آبادی کے ایک قطعۂ زمین پر کس طرح نافذ کر سکتے ہیں؟

ادھر مشرقی پاکستان ہو گا۔ ادھر مغربی پاکستان، درمیان میں چالیس کروڑ متعصب ہندو آبادی۔ جس پر اس کی اپنی حکومت ہو گی۔ ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتا رہے گا اسے کمزور بنانے کی ہر کوشش کریگا اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک دیا جائے گا۔ آپ کی معشیت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور آپ کی حالت یہ ہو گی کہ بوقت ضرورت مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں ایک دوسرے کی کوئی سی مدد کرنے سے قاصر ہوں گے۔ پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہو گی اور یہ انگریز کے پروردہ، فرنگی سامراج کے "خود کاشتہ پودے" زمینداروں جاگیرداروں، سرمایہ داروں، صنعت کاروں، سروں اور نوابوں کے خاندان ہوں گے جو اپنی من مانی کارروائیوں سے محب وطن اور غریب عوام کو پریشان کر کے رکھ دیں گے۔ غریب کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ ان کی لوٹ کھسوٹ سے پاکستان کے کسان اور مزدور نانِ شبینہ کو ترس جائیں گے۔ امیر دن بدن امیر تر ہوتا چلا جائیگا۔ اور غریب غریب تر۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ
خطاب:- ۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء
اردو پارک دہلی

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

محرم الحرام : ۱۴۱۲ھ
اگست : ۱۹۹۱ء
جلد ۲ ◆ شمارہ ۸

رئیس التحریر : ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری
مدیر : سید محمد کفیل بخاری

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ

مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ

مولانا محمد عبداللہ مدظلہ

مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ

مولانا محمد عبدالحق مدظلہ

رفقاءِ فکر

— سید عطاء المؤمن بخاری
— سید عطاء المہیمن بخاری
— سید عبدالمجیب بخاری
— سید محمد ذوالکفل بخاری
— سید محمد ارشد بخاری
— سید خالد مسعود گیلانی
— عبداللطیف خالد ○ اختر جنجوا،
— عمر فاروق عمر ○ خادم حسین
قمر الحسنین

زرِ معاونت اندرونِ ملک

فی پرچہ : ۶/= روپے
سالانہ : ۶۰/= روپے

بیرونِ ملک

سعودی عرب، عرب امارات مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت، بنگلہ دیش، انڈیا، امریکہ، برطانیہ، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، برما، نائیجیریا، جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ /۳۰۰ روپے سالانہ پاکستانی

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ [شعبۂ تبلیغ] عالمی مجلس احرارِ اسلام

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان (پاکستان) فون : ۷۲۸۱۳

ناشر : سید محمد کفیل بخاری، پرنٹر : تشکیل احمد اختر، مطبع : تشکیل نو پرنٹرز پرانی غلہ منڈی ملتان، مقام اشاعت : دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

آئینہ

دل کی بات	مدیر	۳
حضرت حسینؓ کے قاتل؟	مولانا اللہ یار مرحوم	۵
رنگ ہیں کتنے یہاں .... (نظم)	محمد اکرام تائب	۲۶
آگ	شاہ بلیغ الدین	۲۷
امامت وخلافت	حکیم محمود احمد ظفر	۲۹
زباں میری ہے بات ان کی	خادم حسین	۳۴
مُرادِ نبی	مولانا عبدالستار جھنگوی	۳۷
چکڑالی فتنہ	مولانا قاضی محمد شمس الدین مرحوم	۴۰
خانقاہ سراجیہ اور شاہ جیؒ	مولانا محبوب الٰہی	۴۵
کچھ یادیں	رئیس احمد جعفری مرحوم	۴۹
وہ ایک سایہ (نظم)	سید محمد یونس بخاری	۵۲
جوانا مرگ بدر منیر احرار مرحوم	مرزا عبدالقیوم بیگ	۵۳
نفاذ شریعت	عبدالودود شعیب	۵۶
حسن انتقار	سید محمد ذوالکفل بخاری	۵۷
مجلس ذکر حسین ۱۴۱۲ھ	ناظم ادارہ	۵۹
تابعین کرام کی باتیں	جناب محمد حسن چغتائی	۶۳

دل کی بات

۱۴ اگست کو ہم چوالیسواں "جشن آزادی" منا رہے ہیں۔

ان چوالیس برسوں میں قومی شعور اور سیاسی بصیرت سے بہرہ ور ہر شخص کے ذہن میں بارہا یہ سوال ابھرتا ڈوبتا رہا ہے "کیا ہم آزاد ہیں"؟

آج اگر چوالیس برس کی الٹی زقند لگا کر اس تصور آزادی کو پانے کی کوشش کریں جس کا حسین خواب ہمیں دکھلایا گیا تھا تو وہ ارمان اور سپنے ارض تمنا پاکستان کے ذرے ذرے میں بکھرے بکھرے نظر آئیں گے المیہ یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ حکمران ہوئے جن کا جدوجہد آزادی سے اتنا بھی تعلق نہ تھا جتنا شرافت کا انسان سے ہوتا ہے۔ یہاں جو حاکم آیا اس نے نہ صرف آزادی کے تصور کو پامال کیا بلکہ اقدار بھی ملیامیٹ کیں۔ یہاں ہر کار بد کی انجام دہی کیلئے مکمل آزادی دی گئی "ملک و قوم کیلئے فلاح کی راہیں سوچنے والوں کا حق آزادی سلب کیا گیا اور ان کی راہیں مسدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسلام کا نام لیکر مسلمان کہلا کر اسلام کو جتنا یہاں رسوا کیا گیا تاریخ میں اس بد ترین ظلم کی مثال نہیں ملتی۔ من حیث المجموع پورا معاشرہ بد عنوان ہو چکا ہے اور سیاسی و قومی بہروپیوں نے اعتبار کی ساری صورتیں مجروح کر دی ہیں۔ اب کوئی کسی پر اعتبار کرے بھی تو کیونکر؟ پاکستان کے سیاست دان سب سے بڑے مجرم ہیں۔ جنہوں نے ملک و قوم کو اپنے شخصی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ہمارے اسلاف نے لاکھوں انسانوں کی قربانی دیکر ایک سفید چمڑی والا حاکم یہاں سے نکالا۔ اور یہ یقین کر لیا کہ اب ہم آزاد ہیں مگر ستم یہ ہے کہ ہم آزاد ہونے کی بجائے دہری غلامی کے اسیر ہو گئے۔ برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کی تو امریکی سامراج کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے۔ رہی سہی کسر ہمارے حکمرانوں "کالے انگریز" نے پوری کر دی۔ مقاصد کا تعین نہ منزل کی خبر۔ اسلام، جمہوریت، سوشلزم، سیکولرازم، کچھ بھی تو نہیں۔ قرارداد مقاصد سے لیکر شریعت بل تک حکمرانوں نے دین اسلام کو رسواء کرنے میں کوئی کسر بھی اٹھا نہیں رکھی۔

سیاست دان ملے تو ایسے کہ اقتدار میں ہوں تو "سب اچھا" معزول اقتدار ہوں تو سب غلط۔ ان کی خرمستیوں اور رذالتوں کی وجہ سے سیاسی کارکن بھی اخلاص و ایثار کی دولت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اب ان کی سوچ کا زاویہ بھی وہی ہے جو سیاست دانوں کا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا تھا "آزادی کیلئے اتنی بڑی قیمت تاریخ میں کبھی ادا نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود ہم اس نعمت سے محروم رہیں گے" اور امام العصر ابوالکلام آزادؒ کے بقول "پاکستان ایک تجربہ ہے خدانخواستہ اگر یہ ناکام ہو گیا تو پوری ملت اسلامیہ متاثر ہوگی"

چوالیس برسوں میں ان بزرگوں کو جی بھر کر گالیاں دی گئیں مگر ان کی ایک بات بھی غلط ثابت نہ ہوئی۔ نہ تو نفاذ اسلام کا تجربہ کامیاب ہوا اور نہ ہم آزاد ہوئے۔ اللہ سے عہد باندھ کر اسے توڑا گیا نتیجۃً سزا سے دوچار ہیں۔ حکمران، سیاست دان اور اراکین اسمبلی مفاد پرست جھوٹے اور جرائم پرور ہیں۔

کسی شہری کی عزت، جان، مال غرض کچھ بھی تو محفوظ نہیں۔ ڈاکوؤں کا راج ہے۔ وہ جب اور جہاں چاہیں لوٹ مار کریں، قتل و غارت گری کریں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حکومت بارہویں آئینی ترمیم کے ذریعہ بے پناہ اختیارات حاصل کرنے کے باوجود امن وامان قائم رکھنے میں ناکام ہے۔ ملک پہلے ہی پولیس سٹیٹ تھا۔ مگر بارہویں آئینی ترمیم سے یہ سٹیٹ بہت مضبوط ہو گئی ہے۔ ناجائز اسلحہ جمع کرانے کیلئے کہا گیا تو اس میں بھی حکومت کو شرمناک ناکامی ہوئی۔ البتہ ملتان سے آئی جے آئی سے تعلق رکھنے والے پنجاب اسمبلی کے ایک رکن نے ایک ریوالور اور ایک پسٹل تھانے میں جمع کراکر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچائی ہے کہ ناجائز اسلحے کے اصل ذخائر ممبران اسمبلی کے پاس ہیں۔

سندھ میں ناجائز اسلحہ جمع کرنے والوں کو ۳۲ ہزار نئے اسلحہ لائسنس جاری کئے گئے ہیں۔ گویا سندھ کا سکور نمبرون رہا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اسلحہ لائسنس جاری کئے گئے کیا اب وہ شریف شہری ہیں؟ بلوچ اور پٹھان کے نزدیک تو اسلحہ واپس کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات فحاشی عریانی اور بدمعاشی کے مہذب اڈے بن چکے ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں رنگیلوں کی حکومت ہے۔ غیر ملکی مداخلت ناقابل برداشت حد تک بڑھ چکی ہے اور وحشی امریکہ ناچ رہا ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری کی کھلی چھٹی سے خطرات مزید بڑھ گئے ہیں کے معلوم کون کس روپ میں کن مقاصد کے حصول کیلئے یہاں سرمایہ کاری کررہا ہے؟۔ ایران جس کی خشت اول ہی غلط ہے تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور ملت اسلامیہ کو اس سرزمین سے ہمیشہ ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ گزشتہ کئی مہنیوں اخبارات میں پاکستان اور ایران کے مابین دفاعی اور اقتصادی معاہدوں کا زبردست چرچا رہا اور بالآخر پچھلے دنوں اقتصادی معاہدہ طے پاگیا۔ معلوم نہیں دفاعی معاہدہ کس مرحلہ میں ہے۔

افغانستان میں جہاد اسلامی فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو رہا تھا کہ امریکہ نے مجاہدین اور ان کی قیادت کو "بنیاد پرست" قرار دیکر اس جہاد کو سبوتاژ کرنے کی سازشیں شروع کردیں۔ جن کی تکمیل کیلئے ایران نے کلیدی کردار ادا کیا۔

جبکہ بظاہر مردہ باد امریکہ اور مرگ بر امریکہ جیسے نفرت انگیز نعرے لگا کر دنیا کو دھوکہ دیا گیا فی الحقیقت ایران اس خطہ میں امریکی ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اور وقت ثابت کرے گا کہ ایران نیو ورلڈ آرڈر کا ایک اہم کردار ہے۔ انقلاب ایران کے بعد پاکستان کے شیعہ گروہ کی خصوصی سرپرستی کرکے انہیں ہر لحاظ سے مسلح کیا گیا پاکستان میں شیعہ ۲ فیصد اقلیت ہونے کے باوجود پچانوے فیصد سنی اکثریت کے حقوق پامال کر رہے ہیں۔ غرض حکومت اندرونی و بیرونی طور پر کھوکھلی ہو چکی ہے۔

اور ہر قسم کا دباؤ "رواداری" کے نام پر قبول کر چکی ہے۔ حکمرانوں اور سیاست دانوں نے میرے پاک وطن کا کیا حال کر دیا ہے؟ آج تحریک پاکستان کے شہداء بھی سوال کر رہے ہیں "کیا یہ فریب تھا کہ پاکستان اسلام کیلئے قائم کیا جارہا ہے؟"۔

ملک کی بقا اسی میں ہے کہ حکمران اس عہد وفا کو پھر تازہ کریں اور ملک جس نام پر حاصل کیا گیا تھا اسی نام کو زندہ کریں۔ ورنہ ذلت و رسوائی کا جو خوفناک سیلاب بڑھ رہا ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا حکمرانو! سیاست دانو! میرے پاک وطن کے حال پر رحم کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا وجود آئندہ نسلوں کی تربیت کیلئے نشان عبرت بن جائے۔

مولانا اللہ یار مرحوم

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل

خود شیعہ تھے

شیعوں کی معتبر کتب سے سنسنی خیز انکشافات

امام مظلوم

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وطن سے دور جس بے نوائی کی حالت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی اور جس عظیم قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے کنبہ کو شہید کرایا اس کی مثال تاریخ انسانی میں ڈھونڈے نہیں ملے گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے اس عظیم فرزند پر یہ مصائب کس جانب سے آئے، کون سے ہاتھ ان کے لیے آگے بڑھے اور کیوں؟

اس واقعہ کے عینی شاہد یا تو قاتل ہیں یا مقتولین کے گروہ میں سے جو بچ گئے۔ اس لیے سادہ طریق تحقیق تو یہ ہے کہ بچے کھچے مظلومین سے پوچھا جائے کہ تمہارا قاتل کون ہے اور قاتل گروہ سے پوچھا جائے کہ تمہارا جواب دعویٰ کیا ہے۔ اگر مدعی کے بیان کے بعد ملزم اپنے جرم کا اقرار کرلے تو کسی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اقرار جرم کے بعد ملزم ملزم نہیں رہتا بلکہ مجرم قرار پاتا ہے۔

موضوع: قاتلین حسین رضی اللہ عنہ کون تھے؟ شیعہ یا غیر شیعہ۔

جواب کے لیے مقدمات:

۱۔ مدعی کون ہے؟

۲۔ مدعا علیہ کون ہے یعنی مدعی کا دعویٰ کس کے خلاف ہے؟

۳۔ گواہ کون ہیں؟

۴۔ کیا وہ عینی شاہد ہیں یا ان کی شہادت سماعی ہے؟

۵۔ اگر یہ شہادت مدعی کے بیان کے موافق ہے تو دعویٰ ثابت اگر خلاف ہے تو مردود
ان امور کی روشنی میں واقعہ کا جائزہ لینا چاہیئے

مقدمہ اول: مدعی امام حسین رضؓ، آپؓ کے اہل بیت اور آپؓ کے ہمراہی ہیں۔ ان پر ظلم ہوا۔ یہ خیال رہے کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے یعنی گناہ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک ہوتا ہے اور مفترض الطاعۃ ہے

مقدمہ دوم:۔ مدعا علیہ وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے امام کو بلایا اور ظلم سے قتل کیا۔

مقدمہ سوم:۔ قاعدہ کی رو سے گواہ، مدعی اور مدعا علیہ سے جدا کوئی اور ہونا چاہیئے۔

مقدمہ چہارم:۔ کوئی عینی شاہد نہیں جو چشم دید واقعہ بیان کر سکے۔ کیونکہ کربلا چٹیل میدان تھا۔ اس کے گرد کوئی آبادی نہ تھی، اس لیے جو گواہ پیش ہوگا اس کی شہادت سماعی ہوگی۔

مقدمہ پنجم:۔ چونکہ شہادت سماعی ہے اس لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ گواہ نے یہ واقعہ قاتلین کی زبانی سنا یا مقتولین کی زبان سے، جو صورت بھی ہو یہ دیکھنا ہوگا کہ شہادت مدعی کے دعویٰ کے مطابق ہے تو قبول ورنہ مردود۔ اگر شہادت مدعی کے بیان کے خلاف ہے تو لازم آئے گا کہ گواہ نے مدعی کو جھوٹا قرار دیا اور امام معصوم کو جھوٹا قرار دینے والے کی شہادت کیونکر قبول ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی روایت یا خبر خواہ کسی راوی کی ہو اور خواہ کسی کتاب سے لی گئی ہو لازماً مردود ہوگی۔

اس تحقیق کے بعد جو مجرم ثابت ہو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے مجرم سمجھے ورنہ وہ اس آیت کا مصداق ہوگا۔ من یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل بہتانا و اثما مبینا۔ پ ۵ آیت ۱۱۲

دعویٰ کی تفصیل:۔ ا۔ بیانات مدعیان

ا۔ بیان مدعی نمبر ۱۔ حضرت امام حسین رضؓ نے میدان کربلا میں دشمن کی فوج کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

ویلکم یا اھل الکوفۃ انسیتم کتبکم وعھودکم التی اعطیتموھا وا شھدتم اللہ علیھا ویلکم ادعوتم ذریۃ اھل بیت	اے اہل کوفہ! حیف ہے تم پر۔ کیا تم اپنے خطوط اور وعدوں کو بھول گئے جو تم نے خدا تعالیٰ کو اپنے اور ہمارے درمیان دے کر لکھے تھے کہ اہل بیت آئیں ہم ان کے لیے

نبیکم وذریتہ انکم تقتلون انکم دونہم حتی اذا اتوکم سلمتموہم الی ابن زیاد منعتموہم عن ماء الفرات بئس ما خلفتم نبیکم فی ذریتہ مالکم لا سقاکم اللہ یوم القیامۃ	اپنی جانیں قربان کردیں گے حیف ہے تم پر تمہارے بلاوے پر ہم آئے اور تم نے ہمیں ابن زیاد کے حوالے کردیا اور ہمارے لیے فرات کا پانی بند کردیا۔ واقعی تم لوگ رسولؐ کے بُرے خلاف ہوکر حضورؐ کی اولاد کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اللہ تمہیں قیامت کے دن سیراب نہ کرے۔

(ذبح عظیم بحوالہ ناسخ التواریخ ص ۲۳۵)

امام کے بیان سے دو باتیں ثابت ہوئیں :۔

۱۔ اہلِ کوفہ نے امام کو خطوط لکھ کر کوفہ بُلایا اور عہد دیا کہ امام کی مدد کے لیے مرنے مارنے پر تیار رہوں گے۔

۲۔ جنہوں نے خطوط لکھ کر کوفہ بُلایا انہوں نے امام پر پانی بند کیا اور امام کو قتل کے لیے ابن زیاد کے حوالے کیا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ بُلانے والے شیعہ تھے یا کوئی اور گروہ تھا۔

قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المؤمنین ص ۲۵ مجلس اوّل میں تصریح کردی۔

تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد وسنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل و محتاج دلیل است اگرچہ ابوحنیفہ کوفی است۔	اہلِ کوفہ کے شیعہ ہونے کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ کوفیوں کا سنی ہونا خلاف اصل ہے جو محتاجِ دلیل ہے اگرچہ ابوحنیفہ کوفی تھے۔

شیعہ عالم شوستری کی شہادت کے مطابق اہل کوفہ کا شیعہ ہونا اظہر من الشمس ہے پھر بھی مزید دو شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(ا) جب مقام زبالہ پر امام حسین کو امام مسلم کی شہادت کی خبر ملی تو امام نے فرمایا قد خذلنا شیعتنا یعنی ہمارے شیعہ نے ہمیں ذلیل کیا ہے۔ (خلاصۃ المصائب ص ۴۹)

ب جلاء العیون اُردو۔ امام نے معرکہ کربلا میں شیعہ کو مخاطب کرکے فرمایا :۔

"تم پر اور تمہارے ارادہ پر لعنت ہو۔ اے بے وفایان جفا کار! تم نے ہنگامۂ اضطراب واضطرار میں ہمیں اپنی مدد کے لیے بُلایا جب میں نے تمہارا کہنا مانا اور تمہاری نصرت اور ہدایت کرنے کو آیا اس وقت تم نے شمشیر کینہ مجھ پر کھینچی

اپنے دشمنوں کی تم نے یاوری اور مددگاری کی اور اپنے دوستوں سے دست بردار ہوئے۔"

ان بیانات سے ثابت ہوگیا کہ امام کو شیعوں نے بلایا۔ انہوں نے پانی بند کیا اور انہوں نے ہی قتل کے لیے ابن زیاد کے حوالے کیا۔

جلاء العیون میں امام کے بیان کے دوران "شمشیر کینہ" کا لفظ قابلِ توجہ ہے یعنی کوفی شیعہ کے دلوں میں کوئی پرانا بغض تھا اس لیے انتقام لینے کی غرض سے یہ ناٹک کھیلا۔ تاریخی اعتبار سے اس دیرینہ عداوت کی وجہ اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام کے شیدائیوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں نے اہلِ کوفہ سے اپنا آبائی مذہب چھڑا کر اسلام کی دولت عطا کی اور صدیوں کی پرانی سلطنت عرب مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگئی۔ آخر قومی اور مذہبی تعصب بروئے کار آکے رہا۔

نتیجہ:۔ مدعی نمبر۱ کے بیان کے مطابق امام کے قاتل اہلِ کوفہ شیعہ تھے کوئی اور نہیں تھا۔

بیان مدعی نمبر۲ امام زین العابدین

یا ایها الناس ناشدکم بالله هل تعلمون انکم کتبتم الی ابی وخدعتموه واعطیتموه من انفسکم العهد والمیثاق والبیعة وقاتلتموه وخذلتموه فتبا لکم ما قدمتم لانفسکم وسوأة لرایکم بایة عین تنظرون الی رسول الله اذ تقول لکم قتلتم عترتی وانتهکتم حرمتی فلستم من امتی قال فارتفعت الاصوات الناس بالبکاء ویدعوا بعضهم بعضا هلکتم وما تعلمون

احتجاج طبرسی طبع ایران ص۱۵۹

اے لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دلاتا ہوں کیا تمہیں علم نہیں کہ تم نے میرے والد کو خطوط لکھے اور انہیں دھوکا دیا۔ تم نے پختہ وعدہ اور بیعت کا عہد دیا اور تم نے انہیں قتل کیا ذلیل کیا۔ خرابی ہو تمہارے لیے جو کچھ تم نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے اور خرابی ہو تمہاری بری رائے کی تم کس آنکھ سے رسول کریم کو دیکھو گے جب وہ فرمائیں گے تم نے میری اولاد کو قتل کیا میری بے حرمتی کی۔ تم میری امت سے نہیں ہو پس رونے کی آواز بلند ہوئی اور ایک دوسرے کو بددعا دینے لگے کہ تم ہلاک ہو گئے جس کا تمہیں علم ہے۔

اس بیان سے ثابت ہے کہ بلانے والوں سے مخاطب ہیں اور وہی قاتل ہیں۔ رد عمل میں ان کا اعتراف بھی موجود ہے۔

بیان دیگر:۔

لما اتی علی بن الحسین زین العابدین بالنسوة

جب زین العابدین مرض کی حالت میں عورتوں

من كربلا وكان مريضا واذا نساء اهل الكوفة ينتدبن مشققات الجيوب والرجال معهن يبكون فقال زين العابدين بصوت ضئيل وقد نهكته العلة ان هؤلاء يبكون ومن قتلنا غيرهم۔

کے ساتھ کربلا سے آرہے تھے تو اہلِ کوفہ کی عورتیں گریبان چاک کیے بین کرنے لگیں اور مرد بھی رو رہے تھے پس زین العابدینؑ نے پست آواز میں فرمایا کیونکہ بیماری کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے کوفہ والے روتے ہیں مگر یہ تو بتاؤ

احتجاج طبرسی ص۱۵۵ ہمیں قتل کس نے کیا؟

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون ص۵۰۰ پر امام کا بیان انہی الفاظ میں نقل کیا ہے

"امام زین العابدینؑ نے بآواز ضعیف فرمایا کہ تم ہم پر گریہ اور نوحہ کرتے ہو لیکن یہ تو بتاؤ ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟"

امام کے اس سوال اور اس لہجے کے اندر اس کا جواب پوشیدہ ہے۔

مدعی ۲ کے بیان سے یہ نتیجہ نکلا کہ:-

(۱) اہلِ کوفہ نے خط لکھے (۲) اہلِ کوفہ نے امام کو دھوکا دیا (۳) اہلِ کوفہ نے امام کو قتل کیا (۴) اہلِ کوفہ شیعہ تھے (۵) قاتلینِ حسینؓ کوفی شیعہ امتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہیں (۶) قاتلینِ حسینؓ روئے اور ان کی عورتوں نے گریبان چاک کیے اور بین کیے بلکہ مستقل سنت قائم کر گئے۔

یہ خیال رہے کہ دونوں مدعی معصوم ہیں اس لیے اپنے دعویٰ میں صادق ہیں۔

بیان مدعی ۳ زینب بنت علیؓ، ہمشیرہ امام حسینؓ

جب اسیرانِ کربلا کربلا سے آئے کوفہ میں داخل ہوئے تو کوفہ کے مردوں اور عورتوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا تو حضرت زینبؓ نے فرمایا

ثم قالت بعد حمد الله والصلوة على رسوله اما بعد يا اهل الكوفة يا اهل الختل والغدر والخذل الى ان قالت الا بئس ما قدمت لكم انفسكم ان سخط الله عليكم وفي العذاب انتم خالدون تبكون اي اجل والله فابكوا فانكم احرى بالبكاء فابكوا كثيرا واضحكوا قليلا..... ماذا تقولون ان قال النبي لكم

حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا اے اہلِ کوفہ! اے ظالمو! اے غدّارو!! اے ... نے والو..... بہت برا ہے جو تم نے اپنے ... آگے بھیجا ہے یہ کہ اللہ تم پر ناراض ہوا اور تم ہمیشہ عذاب میں رہو۔ تم روتے ہو! ہاں روتے رہو کیونکہ تمہیں رونا ہی زیب دیتا ہے۔ خوب روؤ اور کم ہنسو۔ کل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دو گے جب آپ پوچھیں گے تم آخری اُمت ہو تم نے

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم ماذا فعلتم وانتم آخر الامم باهل بیتی واولادی بعد مفتقدی منهم اساری ومنهم ضرجوا بدم	میرے بعد میرے اہل بیت اور میری اولاد سے کیا سلوک کیا ان میں سے بعض کو قیدی بنایا! بعض کو خاک و خون میں لوٹایا۔

اس خطبہ کا ترجمہ باقر مجلسی نے جلاء العیون ص۵۰۳ پر یہ دیا ہے۔

"اما بعد اے اہل کوفہ! اے اہل غدر و مکر و حیلہ! تم ہم پر گریہ اور نالہ کرتے ہو درخود تم نے ہمیں قتل کیا ہے۔ ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا بند نہیں ہوا اور تمہارے ستم سے ہماری فریاد و نالہ ساکن نہیں ہوا... تم نے اپنے لیے آخرت میں توشۂ ذخیرہ بہت خراب بھیجا ہے اور اپنے آپ کو ابدالآباد جہنم کا سزاوار بنایا ہے تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو حالانکہ تم خود ہی نے ہم کو قتل کیا ہے... تمہارے یہ ہاتھ قطع کیے جائیں۔ اے اہل کوفہ! تم پر وائے ہو تم نے جگر گوشۂ رسولؐ کو قتل کیا اور پردہ دار اہل بیت کو بے پردہ کیا۔ کس قدر فرزندان رسولؐ کی تم نے خونریزی کی اور حرمت کو ضائع کیا۔"

نتیجہ: ۱۔ اہل کوفہ نے مکر و حیلہ سے امام کو بلایا۔

۲۔ امام سے غداری کی اور اہل بیت کو قتل کیا۔

۳۔ یہ سب کچھ کر لینے کے بعد رونا پیٹنا شروع کر دیا۔

۴۔ ان کو ابدی جہنم کی خوشخبری سنائی گئی۔

۵۔ قاتل وہی تھے جو بلانے والے تھے۔ شیعہ تھے تو اس جرم کے مرتکب اور ابدی جہنم کے مستحق وہی شیعہ ٹھہرے۔

بیان مدعی ۲ حضرت فاطمہ دختر امام حسین

احتجاج طبرسی ص۱۵۷

اما بعد یا اھل الکوفۃ یا اھل المکر والغدر والخیلاء .. فکذبتمونا وکفرتمونا ورایتم قتالنا حلالا واموالنا نھبا کانا اولاد الترک او کابل کما قتلتم جدنا بالامس وسیوفکم یقطر من دمائنا اھل البیت لحقد متقدم قرت بذلک عیونکم وفرحت قلوبکم اجتراء	اما بعد اے اہل کوفہ! اے اہل مکر و فریب... تم نے ہمیں جھٹلایا اور ہمیں کافر سمجھا۔ ہمارے قتل کو حلال اور ہمارے مال کو غنیمت جانا جیسا کہ ہم ترکوں یا کابل کی نسل سے تھے جیسا کہ تم نے کل ہمارے جد (علی) کو قتل کیا تھا تمہاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے بسابقہ کینہ کی وجہ سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں

فمنکم ملی اللہ ومکرتم واللہ خیر الماکرین۔ | دل خوش ہوئے تم نے خدا کے مقابلے میں جرأت کی اور مکر کیا اور اللہ اس مکر کی خوب سزا دینے والا ہے۔

دختر امام مظلوم کے بیان کا نتیجہ:۔

۱۔ کوفہ کے شیعوں نے اہل بیت کو کافر سمجھا اور ان کا خون حلال سمجھا۔

۲۔ شیعوں کو اہل بیت سے کوئی پرانی دشمنی تھی۔

۳۔ حضرت علیؓ کے قاتل شیعہ ہیں۔

۴۔ اہل بیت کو قتل کر کے یہ لوگ خوش ہوئے۔
وہ رونا پیٹنا محض ایکٹنگ تھی۔

بیان مدعی ۵ ام کلثوم ہمشیرہ امام حسین

جب کوفی عورتوں نے اہل بیت کے بچوں کو صدقہ کی کھجوریں دینا شروع کیں تو مائی صاحبہ نے فرمایا۔ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ یہ سُن کر کوفی عورتیں رونے پیٹنے لگیں۔ اس پر مائی صاحبہ نے فرمایا

"اے اہلِ کوفہ ہم پر تصدق حرام ہے .... اے زنانِ کوفہ! تمہارے مردوں نے ہمارے مردوں کو قتل کیا۔ ہم اہلِ بیت کو اسیر کیا ہے پھر تم کیوں روتی ہو۔"
(جلاء العیون صفحہ ۵۰۷)

نتیجہ ظاہر ہے

ان پانچ مدعیان کے بیانوں میں قدر مشترک یہ ہے

۱۔ اہل کوفہ نے امام حسین کو دعوت دی۔ خطوط لکھے۔

۲۔ دعوت دینے والے شیعہ تھے۔

۳۔ ان بلانے والے شیعوں نے امام کو قتل کیا۔ اہل بیت کو اسیر کیا۔ ان کا مال لوٹا۔

۴۔ قاتلینِ حسینؓ کی عورتوں نے گریبان چاک کیئے بین کیے۔

۵۔ قاتلینِ حسینؓ شیعہ امتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہیں۔

ایک اور ہستی کا بیان ملاحظہ ہو جسے مدعی بھی کہہ سکتے ہیں اور گواہ بھی وہ ہیں امام باقر انہوں نے یہ واقعات لازماً اپنے والد امام زین العابدین سے سُنے ہوں گے اور وہ خود بھی بقول شیعہ امام معصوم ہیں۔
جلاء العیون صفحہ ۳۲۶

"جب امیر المؤمنین سے بیعت کی پھر ان سے بیعت شکستہ کی اور ان پر شمشیر کھینچی اور امیر المؤمنین ہمیشہ ان سے بمقام مجادلہ اور محاربہ تھے اور ان سے آزار و مشقت پاتے رہتے۔ یہاں تک کہ ان کو شہید کیا؛ اور ان کے فرزند امام حسنؓ سے بیعت کی اور بعد بیعت کرنے کے ان سے عذر اور مکر کیا اور چاہا کہ ان کو دشمن کو دے دیں۔ اہل عراق سامنے آئے اور خنجر ان کے پہلو پر لگایا اور خیمہ اُن کا لُوٹ لیا یہاں تک کہ ان کی کنیز کے پاؤں سے خلخال اتار لیے اور ان کو مضطرب اور پریشان کیا حتیٰ کہ انہوں نے معاویہ سے صلح کر لی اور اپنے اہل بیت کے خون کی حفاظت کی اور ان کے اہل بیت کم تھے۔ بیس ہزار مرد عراقی نے امام حسینؓ کی بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شمشیر امام حسین پر چلائی اور ہنوز بیعت امام حسینؓ ان کی گردنوں میں تھی کہ امام کو شہید کیا۔"

اس بیان سے بات بالکل واضح ہو گئی۔

سابقہ کینہ کے شواہد:۔

فاطمہ دختر امام حسین کے بیان میں سابقہ کینہ کے الفاظ ہیں ان کی تاریخی تعبیر یہ ہے۔

۱۔ جلاء العیون صفحہ ۲۲۳ پر بیان ہے کہ عبد الرحمن ابن ملجم نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی اور بیعت کر کے جناب امیر کو شہید کیا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ خارجی تھا مگر تاریخ سے اس بات کا نشان تک نہیں ملتا کہ خارجیوں نے کبھی حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ہو۔ وہ تو کھلم کھلا مخالف تھے اور تقیہ بھی نہیں کرتے تھے۔ جب ابن ملجم نے جناب امیر کی بیعت کی تو شیعان علی میں شامل ہو گیا۔ یعنی حضرت علی کا قاتل بھی شیعہ تھا۔

۲۔ احتجاج طبرسی طبع ایران صفحہ ۱۵۰ امام حسن کا بیان

خدا کی قسم میں معاویہ کو ان اپنے شیعوں سے اچھا سمجھتا ہوں۔ وہ میرے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور انہوں نے مجھے قتل کرنا چاہا اور میرا مال لُوٹ لیا۔	نقسان اری واللہ معاویۃ خیرلی من ھؤلاء انھم یزعمون لی شیعۃ وابتغوا قتلی وانتھبوا ثقلی واخذوا مالی

ان اقتباسات سے ظاہر ہے شیعوں نے حضرت علی کو قتل کیا، امام حسن کو قتل کرنا چاہا اور ان کا مال لوٹا اور امام حسین کو قتل کر کے دم لیا۔ غالباً اسی بنا پر حضرت علی نے اپنے دس شیعہ دے کر امیر معاویہ سے ایک آدمی لے لینے کی آرزو کی تھی۔

نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ ۱۸۹ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

ماخذ منی عشرۃ واعطانی رجلا منھم گویا امیر معاویہؓ کے ساتھی ایمان اور وفاداری میں اتنے قابلِ اعتماد تھے کہ حضرت علیؓ اُن کا ایک آدمی لے کر اس کے بدلے دس شیعہ دینے کو تیار تھے۔ قرآن مجید میں ایک اور دس کی نسبت ۔۔ کرتے ۔

اِن یَکُن مِّنکُم عِشرُونَ صَابِرُونَ ۔۔ اے مسلمانو تم اے بیس صابر آدمی کفار کے

یَغلِبُوا مِائَتَین ۔۔ ۲۰۰ پر غالب آسکتے ہیں۔

ممکن ہے حضرت علیؓ نے بھی تقابل میں اسی کی رعایت ملحوظ رکھی ہو۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو امیر معاویہؓ پر اعتماد تھا اور انہوں نے ان دونوں کی حفاظت بھی کی۔ دونوں حضرات نے امیر معاویہؓ کی بیعت بھی کر لی اور ان سے وظیفہ بھی لیتے رہے۔ اس کے برعکس شیعہ نے ایک بھائی کو قتل کرنا چاہا! دوسرے کو قتل کر دیا۔

اب مدعا علیہ کے جواب دعویٰ کو دیکھنا ہے۔ اگر اس میں اقرارِ جرم موجود ہے تو شہادت کی ضرورت نہیں۔ اگر انکار کرے تو گواہ ضروری ہیں۔

بیان مدعا علیہ :۔

مجالس المؤمنین میں قاضی نور اللہ شوستری بیان فرماتے ہیں

اکنون از اعمال سیئہ خویش نادم گشتہ می خواہیم کہ دست در دامن توبہ و انابت زدیم شاید خداوند عزوجل و علا توبۂ ما را قبول کردہ بر ما رحمت کند و ہر کس ازاں جماعت کہ بکربلا رفتہ بودند عذرے می گفتند۔ سلیمان بن صرد گفت ہیچ چارہ نمیدانیم جز آنکہ خود را در عرصۂ تیغ آوریم چنانچہ بسیارے بنی اسرائیل تیغ در یکدیگر نہادند قال تعالےٰ انکم ظلمتم انفسکم الآیہ و مجموعہ شیعہ زانوے استغفار در آمدہ

صـ ۱۴۲

اب ہم اپنی بداعمالیوں پر نادم ہیں چاہتے ہیں توبہ کریں شاید اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرما کر ہماری توبہ قبول کرے اور اس جماعت سے جتنے لوگ (ابن زیاد کی فوج میں امام کو قتل کرنے) کربلا میں گئے تھے سب عذر کرنے لگے۔ سلیمان بن صرد نے کہا اس کے سوا چارہ نہیں کہ ہم اپنے آپ کو تیغ بدست میدان میں لائیں جیسے بنی اسرائیل نے ایک دوسرے کو قتل کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا الخ یہ کہہ کر تمام شیعہ استغفار کے لیے زانو کے بل گر پڑے۔

نوٹ :۔ یہ سلیمان بن صرد وہی شخص ہے جس کے مکان میں جمع ہو کر شیعہ نے امام کو کوفہ آنے کا دعوت نامہ تیار کیا تھا۔

مدعا علیہ نے اقرارِ جرم کر لیا اور توبہ بھی کر لی مگر فائدہ؟

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مدعا علیہ نے اقرارِ جرم کر لیا اور ثابت ہو گیا کہ امام حسینؓ کے قاتل کوفی شیعہ ہیں جنہوں نے امام کو گھر بلا کر بے دردی سے قتل کیا۔ مگر احتیاطاً مزید چھان بین کر لینی چاہیئے۔ ممکن ہے کسی اور کا ہاتھ بھی ہو۔ خلاصۃ المصائب صفحہ ۲۰۱

لیس فیھم شامی ولاحجازی	امام حسینؓ کے قاتلوں میں کوئی ایک بھی شامی یا
بل جمیعھم من اھل الکوفہ	حجازی نہیں تھا بلکہ سب کے سب کوفی تھے

ظاہر ہے وہ اہل کوفہ وہی تو تھے جو شیعہ تھے اور امام کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ مگر حیرت ہے کہ اماموں کو قتل کرنے والوں کے متعلق شیعہ کے ہاں ایک عجیب فتویٰ ہے۔

جلاء العیون صفحہ ۴۱۳

"احادیث کثیرہ میں ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول ہے کہ پیغمبروں اور ان کے اوصیاء کو اور ان کی ذریت کو قتل نہیں کرتا مگر ولد الزنا۔ اور ان کے قتل کا ارادہ نہیں کرتا مگر فرزند زنا لعنۃ اللہ علیہم اجمعین الی یوم الدین"

مدعیان نے ان کوفی شیعوں کو جہنم کی بشارت تو دے دی تھی اب ائمہ اطہار کے اس فتویٰ سے ان کی دنیوی حیثیت بھی متعین ہو گئی۔ ممکن ہے کوفہ کے شیعوں کو یہ فتویٰ نہ پہنچا ہو مگر علم نہ ہونے سے حکم تو نہیں بدل جاتا۔ آخر یہ ائمہ اطہار کا فتویٰ ہے کسی عام آدمی کا نہیں۔

ایک امر غور طلب باقی رہ گیا ہے کہ چلو امام کے قاتل اہل کوفہ شیعہ ثابت ہو گئے مگر یزید کا حصہ اس میں ضرور ہو گا کیونکہ وہ حاکم وقت تھا۔ مدعا علیہم سے ہی اس کے متعلق پوچھتے ہیں۔ شاید وہ اسے بھی اپنے ساتھ شامل کریں۔

۱۔ احتجاج طبرسی صفحہ ۱۶۲ امام زین العابدین نے یزید سے سوال کیا۔ میں نے سنا ہے تو میرے والد کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یزید نے جواب دیا۔

قال یزید لعن اللہ ابن مرجانہ فواللہ ما امرتہ بقتل ابیک ولو کنت متولیا لقتالہ ماقتلتہ	یزید نے کہا اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے۔ بخدا میں نے اسے تیرے والد کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اگر میں خود معرکہ کربلا میں ہوتا تو انہیں ہرگز قتل نہ کرتا۔

مدعا علیہ نے یزید کی صفائی پیش کر دی مگر صرف اس کا بیان کافی نہیں۔ حالات کا جائزہ لینا چاہیئے۔

۲۔ خلاصۃ المصائب صفحہ ۳۰۴ جب شمر نے امام کا سر یزید کے سامنے پیش کیا اور انعام

کا مطالبہ کیا تو

فغضب یزید ونظر الیہ نظرا شدیدا وقال ملا الله رکابک نارا وویل لک اما علمت انہ خیر الخلق فلم قتلتہ اخرج من بین یدی لا جائزۃ لک عندی

پس یزید نے غضب ناک ہو کر شمر کی طرف دیکھا اور کہا اللہ تیری رکاب کو آگ سے بھر دے تیرے لیے ہلاکت ہو جب تجھے علم تھا کہ یہ ان مخلوق سے افضل ہیں تو تو نے انہیں کیوں قتل کیا۔ دُور ہو جا میری آنکھوں سے تیرے لیے کوئی انعام نہیں۔

۳۔ اور جلاء العیون صـ ۵۲۹ پر ہے کہ انعام کے طالب کو قتل کر دیا۔

اگر یزید نے قتل کا حکم دیا تھا تو شمر کہہ دیتا کہ آپ نے حکم دیا میں نے تعمیل کی اور یہ بات روایت میں مذکور ہوتی۔ مگر ان میں سے کوئی صورت بھی موجود نہیں۔

۴۔ منتہی الاحزان طبع ایران صـ ۳۲۱

کسے وارد شد خبر آورد و گفت دیدۂ تو روشن کہ سر حسین وارد شد آں لعین نظر غضبناک کرد و گفت دیدہ ات روشن مباد۔

کسی نے یزید کو اطلاع دی تیری آنکھیں روشن ہوں حسین کا سر آگیا۔ یزید نے نگاہ غضب سے دیکھا اور کہا تیری آنکھیں بے نور ہوں۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ مجرموں نے یزید کو بری قرار دیا ہے۔ غالباً اسی بنا پر امام زین العابدین کو تسلی ہو گئی اور یقین آگیا امام حسینؓ کے قتل میں یزید کا ہاتھ نہیں اس لیے انہوں نے یزید کی بیعت کر لی بلکہ یہاں تک کہہ دیا۔

انا عبد مکرہ انشئت فامسک وان شئت فبع

اے یزید! میں تمہارا غلام ہوں۔ چاہے مجھے رکھ لے چاہے فروخت کر دے۔

(روضہ کافی، جلاء العیون)

یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قاتلین حسینؓ کوفی شیعہ تھے جیسا کہ مدعیان کا دعویٰ ہے اور مدعا علیہم نے اقرارِ جرم کر لیا۔ البتہ ایک مسئلہ حل طلب ہے:

اصول کافی طبع نولکشور صـ ۱۵۸ پر ایک اصول بیان ہوا ہے۔

ان الائمۃ یعلمون متی یموتون وانھم لا یموتون الا باختیارھم

تحقیق ائمہ کرام کو اپنی موت کے وقت کا علم ہوتا ہے اور وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔

اس اصول کے پیشِ نظر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

امام حسینؓ کو علم تھا کہ اہلِ کوفہ غدار ہیں۔ مجھے بلا کر قتل کریں گے کیونکہ امام کو ما کان وما

یکون کا علم ہوتا ہے اور امام کے پاس رجسٹر بھی ہوتا ہے پھر آپ کوفہ کیوں گئے؟ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی اصلاح کے لیے گئے تھے تو خود جاتے۔ اپنے اہل بیت کو کیوں ساتھ لے گئے۔ اپنی شہادت اور اہل بیت کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا علم ہونے کے باوجود یہ اقدام کیوں کیا؟

امام نے جب اپنے اختیار سے موت قبول کی اور اسے پسند کیا تو سالہا سال سے ان کی موت پر رونا پیٹنا کس وجہ سے ہے۔ اگر محبت سے ہے تو محبت کا تقاضا ہے کہ اپنی پسند محبوب کی پسند کے تحت ہو۔ اگر امام کی پسند کے خلاف احتجاج ہے تو یہ بھی غیر معقول۔ البتہ اپنے فعل پر ندامت ہے کہ امام کو قتل کیوں کیا تو یہ بات معقول نظر آتی ہے۔

۲۔ بقول شیعہ حضرت علی نے تقیہ کیا اصحاب ثلثہ کی بیعت کر کے تقیہ کرنے کا ثواب بھی حاصل کیا بلکہ نو حصہ دین بچا لیا اور اپنی جان بھی بچالی۔ امام حسین نے تقیہ کیوں نہ کیا۔ اپنے والد کی سُنّت کی پیروی بھی ہو جاتی۔ تقیہ کا ثواب بھی ملتا۔ جان بھی بچ جاتی اور اہل بیت بھی مصائب سے بچ جاتے۔

تقیہ کے فضائل کی بحث طویل ہے۔ البتہ چند ایک باتیں بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اصول کافی باب التقیہ ص۴۸۲ امام جعفر فرماتے ہیں

یا ابا عمران تسعة اعشار الدین	اے ابو عمر ۹/۱۰ حصہ دین تقیہ کرنے میں ہے جو تقیہ
فی التقیة لا دین لمن لا تقیة له	نہیں کرتا بے دین ہے

۲۔ تفسیر امام حسن عسکری طبع ایران ص۱۲۹

قال رسول الله مثل المومن	رسولِ خدا نے فرمایا تارک تقیہ مومن کی مثال ایسی
لا تقیة له کمثل جسد لا راس له	ہے جیسے بدن بغیر سر کے۔

ظاہر ہے کہ جس طرح سر کے بغیر بدن بے کار ہے اسی طرح تقیہ کے بغیر ایمان کسی کام کا نہیں۔

۳۔ ایضاً

قال علی بن الحسین یغفر الله	امام زین العابدین نے فرمایا اللہ تعالیٰ مومن کے
للمومنین من کل ذنب ویطہرہ	تمام گناہ بخش دے گا اور دُنیا سے پاک کر کے نکالے
فی الدنیا ما خلا ذنبین ترک	گا مگر دو گناہ نہیں بخشے گا اوّل تقیہ کا ترک
التقیة وتضیع حقوق الاخوان	کرنا دوم بھائیوں کے حقوق ضائع کرنا۔

"من کل ذنب" سے ظاہر ہے کہ شرک اور ائمہ کو قتل کرنا بھی قابلِ معافی گناہ ہیں۔ ہاں تارکِ تقیہ کے لیے نجات نہیں۔ گویا اہلِ کوفہ امام کو قتل کر کے بھی گناہوں سے پاک ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے اور امام نے جان دے کر بھی کچھ نہ پایا کیونکہ ترکِ تقیہ کا ناقابلِ معافی گناہ ان کی گردن پر رہا۔ ہائے امام مظلوم کی دہری مظلومیت! لطف یہ کہ یہ بات امام مظلوم کے بیٹے کی زبان سے کہلوائی گئی ہے۔

اسی وجہ سے عبدالجبار معتزلی نے اپنی کتاب مغنی میں شیعہ سے ایک سوال کیا کہ شیعہ کا عقیدہ ہے تقیہ ہر ضرورت کے وقت جائز ہے اور خوفِ جان ہو تو تقیہ فرض ہے۔ ایسی حالت میں جو تقیہ نہ کرنے کی وجہ سے مارا گیا وہ ملعون موت مرا۔ اس نے خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ مگر کربلا میں امام حسینؓ نے اپنی جان ہی نہیں دی اہلِ بیت کو شہید کرایا۔ ان پر مصائب آئے تو ان کی اصل وجہ امام حسینؓ کا تقیہ نہ کرنا ہے۔ اگر وہ تقیہ کر کے یزید کی بیعت کر لیتے تو خدا کی نافرمانی بھی نہ ہوتی اور جان بھی بچ جاتی حالانکہ امام حسنؓ نے تقیہ کر کے امیر معاویہ کی بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ نے تقیہ کر کے خلفائے ثلٰثہ کی بیعت کر لی۔ اس لیے آپ حضرات شیعہ کیا کہتے ہیں کہ امام حسینؓ کی موت کس قسم کی تھی؟

ابو جعفر طوسی نے تلخیص شافی صفحہ ۴۷۱ پر اس سوال کو یوں نقل کیا ہے

ثم لما عرض علیه ابن زیاد
الامان وان یبایع یزید کیف
لم یستجب حقنا لدمه ودماء من
معه من اهله وشیعته ومو الیه
ولم القی بیده الی التهلکة
وبدون هذا الخوف سلم اخوه
الحسن الامر الی معاویة فکیف
یجمع بین فعلیهما

جب ابن زیاد نے امام حسینؓ کو اس شرط پر امان دی کہ یزید کی بیعت کر لیں تو امام نے اسے کیوں قبول نہ کیا۔ اپنی جان اور اپنے متعلقین کی جان بچا لیتے۔ انہوں نے ترکِ تقیہ کر کے ان جانوں کو ہلاکت میں کیوں ڈالا حالانکہ ان کے بھائی امام حسنؓ نے بلا خوفِ جان حکومت امیر معاویہ کے سپرد کر دی تھی۔ دونوں بھائیوں کے عمل کو کیسے جمع کر سکتے ہو۔

شریف مرتضیٰ اور ابو جعفر طوسی کی طرف سے جواب یہ دیا گیا

لما رأی لا سبیل الی العود ولا الی
دخول الکوفة سلک طریق الشام
سائرا نحو یزید بن معاویة لعلمه
علیه السلام بانه علی ما به

جب امام نے دیکھا کہ مدینہ کو لوٹنے کا کوئی راستہ نہیں نہ کوفہ میں داخل ہونے کی کوئی صورت ہے تو شام کو روانہ ہوئے کہ یزید کے پاس جائیں شاید اس مصیبت سے نجات ملے جو ابن زیاد اور اس

ارتفعت من ابن زياد واصحابه فسار عليه السلام حتى قدم عليه عمر و بن سعد العسكر العظيم وكان

کے ساتھیوں سے ہو رہی تھی۔ آپ روانہ ہوئے تو عمر و سعد لشکر عظیم لے کر سامنے آگیا جیساکہ ذکر ہو چکا ہے اس لیے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے

من امره ما قد ذكرناه فكيف يقال انه القى بيده الى التهلكة وقد روى انه قال لعمرو بن سعد اختاروا مني اما الرجوع الى المكان الذي اقبلت منه او ان اضع يدي على يد يزيد فهو ابن عمي ليرى في رأيه واما ان تسيروا بي الى ثغر من ثغور المسلمين فاكون رجلا من اهله لي ماله وعلي ما عليه

کہ امام نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان ہلاکت میں ڈالی۔ حالانکہ یہ روایت موجود ہے کہ امام نے ابن سعد سے فرمایا تین میں سے ایک صورت اختیار کر لو یا تو مجھے واپس مدینہ جانے دو یا یزید کے پاس جانے دو کہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا وہ میرے چچا کا بیٹا ہے۔ وہ میرے حق میں جو رائے قائم کرے سو کرے یا اسلامی سرحدوں کی طرف جانے دو۔ میں مسلمانوں میں مل کر جہاد کروں گا۔ ان کے ساتھ نفع نقصان میں شریک ہوں گا۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ امام حسین یزید سے بیعت کرنے پر راضی تھے مگر فوج نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ معلوم ہوتا ہے ابن زیاد وغیرہ ذمہ دار لوگ امام کو گرفتار کر کے لے جانا چاہتے تھے تاکہ انعام کے حقدار ہو سکیں۔

دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیعان کوفہ کی فوج بھی تقیہ کر کے امام کے خلاف لڑ رہی تھی۔ گویا دو تقیوں میں تصادم ہو گیا۔ فرق اتنا ہے کہ امام تقیہ کرنے پر آمادہ ہو گئے اور فوج عملاً تقیہ کر رہی تھی۔

تلخیص شافی صـ ۱۸۲ پر اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

واجتمع كل من كان في قلبه نصرته وظاهره مع اعدائه

امام کے مقابل جو فوج جمع ہوئی ان کے دلوں میں امام کی محبت اور اس کی نصرت کی آرزو تھی۔ ظاہراً وہ دشمن کے ساتھ تھے۔

شریف مرتضیٰ اور طوسی نے عبدالجبار معتزلی کا جواب تو دے دیا مگر ایک اور پیچ پڑ گیا۔ مختصر بصائر الدرجات صـ

قال ابو عبدالله ای امام لايعلم مايصيبه والى مايصير

جو امام آنے والی مصیبت کا علم نہیں رکھتا اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا وہ امام ہی نہیں

امرفلیس بحجۃ اللہ علی خلقہ۔ نہ مخلوق پر خدا کی حجت ہے۔

یعنی امام کو آنے والے مصائب کا علم تھا۔ انہوں نے اپنے اختیار اور پسند سے موت قبول کی۔ جب اس کا علم تھا تو کربلا گئے کیوں؟ عبدالجبار کا اعتراض "کہ انہوں نے اپنے آپ

کو ہلاکت میں کیوں ڈالا" بدستور قائم ہے کیونکہ تقیہ کا فائدہ تو جب ہوتا کہ کربلا روانہ ہونے سے پہلے کرتے۔ اس موقع پر تقیہ کے ارادہ کا اظہار بے موقع ہے اور بناوٹ معلوم ہوتی ہے۔

شیعہ حضرات کبھی یہ بھی جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت مناظرہ کی کتابوں میں ہے حدیث کی کتابوں میں نہیں لہٰذا حجت نہیں۔" بات درست سہی مگر ان کے بڑوں کو کیوں نہ سوجھی۔ سید شریف مرتضیٰ نے شافی میں اور ابوجعفر طوسی نے تلخیص میں اس روایت کو کیوں جگہ دی جب تحریفِ قرآن کا مسئلہ چلے تو طوسی کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ یہاں طوسی کیوں ناقابلِ اعتماد قرار پایا۔ معلوم ہوا کہ امام حسین کے دامن سے ترک تقیہ کا داغ دھویا نہیں جا سکتا اور سوال کا یہ حصہ بدستور قائم ہے کہ بتاؤ تمہارے اصول کے مطابق امام حسینؓ کی موت کس قسم کی تھی؟

ائمہ کی موت اپنے اختیار میں ہونے کا اصول تقاضا کرتا ہے کہ

امام حسینؓ نے یہ موت اپنے اختیار سے پسند کی محبان حسین بھی محبوب کی پسند کو محبوب رکھیں اور ان کی یاد میں اپنی جان دے دیں۔ رونا پیٹنا جوانمردی نہیں۔

اس موقع پر ایک دو باتیں مزید ضمناً بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ شیعہ کہتے ہیں امام معہ رفقاء پیاسے مرے مگر جلاء العیون ص۴۵۲

"جب پانی نہ ملا تو امام نے خیمہ کے پیچھے بیلچہ مارا شیریں پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ امام نے خوب پیا اور رفقاء کو بھی پلایا۔"

۲۔ شیعہ کہتے ہیں کہ امام کی نعش کو گھوڑوں کے نیچے روندا گیا مگر اصول کافی اور جلاء العیون ص۵۰۳ پر لکھا ہے

"امام کی نعش پر ایک شیر آکے بیٹھ گیا اور اس نے کسی کو امام کی نعش کے قریب نہ آنے دیا۔"

ان متضاد باتوں میں سچائی کی تلاش کیجیے۔

۱۔ ملا باقر مجلسی کا بیان ہے کہ امام کا جسم ان کی موت کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا اور فرشتے اس کا طواف کرتے رہتے ہیں۔

"وجسم تو آسمان پر گیا زمین پر کس کو روندا گیا۔ کربلا میں روضہ کس کا بنایا گیا؟ روضہ میں دفن کون ہے؟ کربلا میں جا کر زیارت کس کی ہوتی ہے؟ اگر میت کے بغیر کربلا میں روضہ بنایا جا سکتا ہے تو ہر جگہ روضہ بنا لینے میں کیسا قباحت ہے؟

واقعی شیعہ کے بیانات سے تضاد رفع کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اور سوال ضمناً غور طلب ہے۔

شیعہ کہتے ہیں امام کو ہم نے قتل کیا۔ یزید کا اس میں ہاتھ نہیں۔ پھر حیرت ہوتی ہے کہ امام جب شیعہ تھے تو شیعوں نے قتل کیوں کیا۔ معلوم ہوتا ہے معاملہ برعکس ہے۔ امامؑ امام اہل السنت تھے۔ ان کا مذہب وہی تھا جو باقی عرب کا تھا۔ اسی وجہ سے کوفہ کے شیعوں نے دھوکا دیکر امام کو بلایا اور قتل کیا۔ امام کو معلوم تھا کہ وہ شیعہ ہیں۔ مگر ان کی اصلاح کی خاطر چلے گئے۔ ائمہ سے شیعوں کی پرانی دشمنی کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔

ائمہ کے علم کی وسعت کا جو عقیدہ شیعہ کے ہاں مسلمہ ہے کہ ماکان ومایکون کا علم امام کو ہوتا ہے اس کے پیش نظر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ جب حضرت علیؓ کو علم تھا کہ امام حسنؓ نے معاویہؓ کے حق میں حکومت سے دست بردار ہونا ہے۔ امیر معاویہؓ نے یزید کو حکومت دینی ہے اور یزید کی فوج نے امام حسینؓ کو قتل کرنا ہے تو اصل مجرم کون ہوا۔ حضرت علیؓ یا امام حسن یا یزید؟

اس ممکنہ سوال کا جواب اصول کافی صفحہ ۲۷۸ پر ملتا ہے امام کلینی سے روایت ہے۔

نھم یحلون مایشاؤن ویحرمون مایشاؤن۔ — ائمہ جس چیز کو چاہیں حلال کرلیں جسے چاہیں حرام کرلیں۔

یعنی امام حسینؓ نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا قتل حلال کرلیا، امام حسنؓ نے اپنے بھائی کا قتل حلال کرلیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس قتل کا مرتکب مجرم نہیں۔ کیونکہ فعل حلال کرنے والا ثواب کا مستحق ہے مجرم نہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور بات کہی جاتی ہے کہ صحابہؓ نے کئی بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے نرغے میں چھوڑا اور بھاگ گئے پھر بھی اہل السنت انہیں کامل الایمان سمجھتے ہیں۔ اگر شیعہ نے ایک بار امام سے یہ سلوک کیا تو کافر کیوں ہو گئے۔

بات بڑی اونچی ہے مگر اس میں کئی سقم ہیں۔

۱۔ تاریخ سے کوئی ایک واقعہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہؓ نے حضورؐ کو کفار کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ جانے کی غلطی کی ہو، اس لیے یہ دعویٰ ہی جھوٹا ہے۔

۲۔ صحابہؓ کو کامل الایمان تو خود خدا کہتا ہے۔ اس لیے جو خدا اور رسولؐ کو قابل اعتماد نہ

سمجھے وہ آزاد ہے جو چاہے کرتا پھرے۔

۳۔ اہل السنت کو کوئی حق نہیں کہ کسی کو کافر کہیں بلکہ وہ تو رو پیٹنے والوں کو منانے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ

(ا) امام حسینؓ فرما گئے ہیں۔ قد خذلنا شیعتنا

(ب) امام زین العابدینؒ کہہ گئے ہیں۔ تباً لکم ما قدمتم لانفسکم... فلستم من امتی

(ج) زینب بنت علیؓ کہتی ہیں۔ وفی العذاب انتم خالدون

(د) امام باقرؒ کہہ گئے ہیں کہ جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شمشیر امام حسینؓ پر کھینچی اور ہنوز بیعت امام حسینؓ ان کی گردنوں میں تھی کہ امام کو شہید کیا۔

(ر) نور اللہ شوستری شیعوں کی طرف سے کہہ گئے ہیچ چارہ نمیدانیم جز اینکہ خود را در عرصۂ تیغ آوریم۔

اہل علم و دانش خود ہی فیصلہ کریں کہ جو امام کو دھوکہ دے۔ جو حضورؐ کی اُمت سے خارج ہو جن کے لیے ابدی جہنم ہو۔ جو واجب القتل سمجھا جائے اسے کامل الایمان ہی کہیں گے؟

۴۔ صحابہؓ پر بہتان ہے کہ حضورؐ کو کفار کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے مگر یہاں تو بات دُور تک پہنچتی ہے۔ امام کو دھوکہ دیا۔ گھر بلایا۔ امام کے ساتھ ہو کر یزید کے خلاف لڑنے کا حلفیہ عہد دیا۔ امام آئے تو آنکھیں بدل لیں۔ یزید کی فوج میں شامل ہو گئے۔ پانی بند کیا۔ امام کو نہایت بے دردی سے شہید کیا۔ اہل بیت کو رسوا کیا۔ ان کا مال لوٹا۔ اس لیے کہاں وہ بہتان اور کہاں یہ تلخ حقائق۔ اور لطف یہ کہ اتنا کچھ کر چکنے کے بعد محبان اہل بیت بن کر سینہ کوبی کرنا اور جلوس نکالنا۔ حالانکہ جلاء العیون ص۵۱۹ اور ص۵۲۲ پر موجود ہے کہ رونا پیٹنا یزید اور اس کے گھر سے شروع ہوا۔ اس لیے اگر یزید کی سُنت سمجھ کر کیا جاتا ہے تو درست ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جو غم مرنے والے کے پسماندگان کو ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اہل بیت پسماندگان نے تعزیہ، دلدل، علم، پنجہ وغیرہ کے جلوس نکال کر اور اجتماعی طور پر سینہ کوبی کر کے اظہار غم کیا ہو۔ اور اگر یہ عبادت ہے تو ظاہر ہے کہ ائمہ اور اہل بیت سے بڑھ کر عبادت گزار یہ ماتمی تو نہیں ہو سکتے۔ ان سے یہ عبادت کیوں چھوٹ گئی؟

ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ

۱۔ قتل امام حسینؓ میں مدعی ائمہ معصومین اور اہل بیت ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں شیعوں نے قتل کیا۔

۲۔ قاتلین کوفی شیعہ اقرار جرم کرتے ہیں۔

۳۔ گمراہ امام باقر ہیں۔
اگر اس کے خلاف کوئی شخص دعویٰ کرے تو

- ائمہ اور اہل بیت کا دعویٰ پیش کرے۔ مدعا علیہ کا اقرارِ جرم پیش کرے۔
- امام جعفر یا امام باقر کی شہادت پیش کرے۔

اس کے بغیر بے تکی بات کوئی وزن نہیں رکھتی۔

ماتم حسین رضؓ

شیعہ حضرات کے ہاں اس عبادت (ماتم حسین) کا سُراغ حضرت امام حسین رضؓ کی شہادت کے بعد ہی ملتا ہے۔ اس لیے ہم شیعہ کتب سے اس شہادت کے متعلق چند حقائق پیش کرتے ہیں۔ الطراز المذھب مظفری طبع جدید طہران

اسی کتاب کے ۱ : ۲۸۱ پر حضرت زینب کے طولانی خطبہ میں اس کی کچھ اور وضاحت ہوئی ہے

اما بعد یا اهل الکوفة یا اهل الختل والغدر والخذل والمکر اتبکون فلا رقأت الدمعة ... الا ساء ما قدمتم لانفسکم وساء ما تزرون لیوم بعثکم فبعدا لکم وسحقا وتعسا حبطت الآمال وخسرت الصفقة وبؤتم بغضب من الله وضربت علیکم الذلة والمسکنة

اے دھوکا باز مکار اہلِ کوفہ کیا تم روتے ہو .... تم نے اپنے لیے بہت بُرا توشہ آخرت بھیجا ہے۔ لعنت اور پھٹکار ہو تم پر

حضرت زینب کے اس خطاب سے ایک بات مزید معلوم ہوئی کہ اہلِ کوفہ نے مکر و غداری سے قتل بھی کیا اور پھر رونا پیٹنا بھی شروع کر دیا مگر اس کے باوجود لعنت اور پھٹکار کے مستحق ہی ٹھہرے۔

ناسخ التواریخ ۱ : ۳۰۱

حضرت ام کلثوم رضؓ دختر علی اور زوجہ فاروق اعظم کا خطبہ

وبالجمله ام کلثوم فرمود یا اهل الکوفة سوءة لکم مالکم خذلتم حسینا وقتلتموه وانتهبتم امواله وورثتموه وسبیتم نساءه ونکبتموه فتبا لکم وسحقا۔ وویلکم اتدرون ای دماء سفکتم

ام کلثوم رضؓ نے فرمایا اے اہلِ کوفہ! تمہارا بُرا ہو۔ تمہیں کیا ہوا۔ تم نے حسین رضؓ سے دھوکہ کیا اسے قتل کیا۔ اس کا مال لوٹا۔ اس کی خواتین کو قیدی بنایا۔ اب روتے ہو۔ تم برباد ہو جاؤ۔

وای وزر ملی ظهورکم... وای اموال انتهبتموها قتلتم خیر رجالات بعد النبی ونزعت الرحمة من قلوبکم الا ان حزب الله هم الغالبون وحزب الشیطان هم الخاسرون۔

کیا تم جانتے ہو تم نے کون سا خون بہایا۔ گناہ کا کتنا بوجھ اپنی پیٹھوں پر لادا اور کس کا مال لوٹا۔ تم نے نبی کریم کے بہترین افراد کو قتل کیا۔ تمہارے دلوں سے رحم جاتا رہا۔ خوب سُن لو اللہ والے ہی کامیاب ہیں اور شیطان کا ٹولہ گھاٹے میں ہے۔

می فرماید اے مردم کوفہ بد برجال شما چہ افتاد و شمارا کہ حسین را خوار ساختید و مخذول و بے یار و بے یاور گزاشتید و ادرا بکشتید و اموالش را بغارت بردید و چوں میراث خویش قسمت ساختید۔

حضرت ام کلثومؓ کے بیان سے اہلِ کوفہ کے مکر و فریب اور ظلم و جور کے علاوہ اہلِ کوفہ سے یہ شکایت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے قتلِ حسینؑ کے بعد اہلِ بیت کا مال بھی لوٹا اور میراث سمجھ کر آپس میں تقسیم کیا۔

ان اقتباسات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اہلِ کوفہ شیعوں نے امام حسین کو خطوط لکھ کر بلایا۔ جب آئے تو مکر و فریب سے ساتھ چھوڑ دیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ دشمن کے ساتھ مل کر امام کو قتل کیا۔ اسی پر بھی بس نہیں پھر اہلِ بیت کے اموال لوٹے اور میراث سمجھ کر آپس میں تقسیم کیے۔

ایضاً ص۲۹ ام کلثوم کا ایک اور بیان۔

و بالجملہ زنان کوفیاں بر ایشاں زار زار می گریستند جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا سر از محمل بیروں کرد و بآں جماعت فرمود۔

یا اهل الکوفة تقتلنا رجالکم وتبکینا نساءکم فالحاکم بیننا وبینکم الله یوم فصل القضا۔

اے اہلِ کوفہ! تمہارے مردوں نے ہمیں قتل کیا اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں۔ اچھا اللہ تعالیٰ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلے کے دن فیصلہ کرے گا۔

۵۔ اسی کتاب کے ص۳۱ پر

کوفہ کی عورتوں کو گریبان چاک کیے ہوئے روتے پیٹتے ہوئے دیکھ کر ابو جدیلہ اسدی کو تعجب ہوا کہ یہ عورتیں کیوں یہ منظر پیش کر رہی ہیں۔ اس کی وجہ پوچھنے پر بتایا گیا کہ انہیں حضرت حسینؓ کا سر مبارک دیکھ کر رونا آیا۔

مگر سوال یہ ہے کہ جب ان کے مردوں کو حسینؓ کا سر تن سے جدا کرتے ہوئے ترس نہ آیا

توان عورتوں کے دلوں میں غم کے جذبات کیسے اُبھر آئے۔ بات تو وہی ہوئی
ع۔ وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

قاتلینِ حسینؓ کون تھے؟

یہ بحث تفصیل سے گذر چکی ہے اور ثابت کیا جا چکا ہے کہ:-
معصوم مدعیوں کے بیانات سے واضح ہوگیا کہ امام کو کوفہ بلانے والے، امام کے آنے کے بعد اس کی مخالفت کرنے والے امام پر پانی بند کرنے والے، بیدردی سے گرم ریت پر لِٹا کر ذبح کرنے والے، خاندانِ نبوّت کے خیموں کو لُوٹنے والے، مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کرنے والے اور اس کے بعد رو پیٹ کر طمانچہ زنی اور خاک ربائی کر کے ڈرامائی انداز میں اظہارِ غم کرنے والے سب شیعہ تھے۔ ان مدعیان کے بیانات کے بعد معاً لیم کا اقرارِ جُرم پیش کر دیا گیا جو نوراللہ شوستری شہید ثالث کی معتبر کتاب مجالس المؤمنین جلد دوم مجلس ہشتم میں موجود ہے۔
سب سے بڑی بات ہے کہ ائمہ معصومین جب صاف اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے قاتل شیعہ ہیں اور ملزم خود اقراری ہیں تو کوئی تیسرا شخص اس مسلمہ حقیقت کو کیونکر جھٹلا سکتا ہے۔
خلافت راشدہ وہ ہئیت حاکمہ تھی جس کے ذریعے احکام اسلامی اور حدودِ شرعی کا اجراء ہوتا تھا ابن سبا کی سکیم یہ تھی کہ خلیفۂ ثالث کی سیرت کو مجروح کر کے عوام کو ان کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے اور اسلام کے خلاف فکری انقلاب کے ساتھ ساتھ عملی انقلاب بھی لایا جائے اور خلافتِ راشدہ سے اعتماد اُٹھ جائے۔ ان باغیوں نے حضرت عثمان ؓ کو نشانہ بنایا، اور خوارج نے حضرت علیؓ کو۔ مقصد دونوں کا ایک تھا کہ خلافتِ راشدہ کی معیاری حیثیت مجروح ہو جائے۔
تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد بھی اسلامی حکومتوں کے زوال کا سبب زیادہ تر روافض ہی بنتے رہے۔ چنانچہ انور شاہ کاشمیریؒ لکھتے ہیں۔

"تاریخ شاہد ہے کہ مجاہدین ہمیشہ اہل السنت میں سے ہوئے ہیں۔ ان کے بغیر جہاد کی توفیق کسی کو نہیں ہوئی اور اکثر اسلامی سلطنتوں کی تباہی روافض کے ہاتھوں ہوئی۔" (فیض الباری ج۲ ص۸۷)

فتنہ تاتار کو طامۃ الکبریٰ کہا گیا ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب الاذاعہ لما کان وما یکون بین یدی الساعہ صفحہ ۸۶ اور علامہ ابن قیم نے اغاثۃ اللھفان ۲ : ۲۶۳ پر لکھا ہے کہ اس فتنے میں اکابر شیعہ میں سے نصیر الدین طوسی کا ہاتھ تھا۔ یہ ہلاکو خان کا وزیر تھا۔ اس نے اپنی وزارت کے زور سے مساجد برباد کرائیں۔ قرآن کی جگہ بو علی سینا کی "اشارات" کی ترویج کی اور اس امر پر زور دیا کہ یہ قرآن عوام کے لیے تھا خواص کے لیے "اشارات" ہی قرآن ہے۔ اس کی کوشش تھی کہ اسلام مٹ جائے اور فلسفہ نجوم جادو وغیرہ کی تعلیم رواج پائے۔ دوسری طرف عباسی خلیفہ کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا جس نے اپنی حکمت عملی سے ہلاکو خان کی کامیابی کی راہ ہموار کی۔ سقوطِ بغداد تاریخ اسلام میں ایک عظیم المیہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس سے ساڑھے چھ سو سال کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس "کارِ خیر" میں عظیم ترین حصہ لینے والے دونوں حضرات شیعہ تھے۔

مختصر یہ کہ قتلِ عثمانؓ کا پسِ منظر ایک انسان کی زندگی ختم کرنے کی کوشش نہیں تھی بلکہ دینِ اسلام کی فکری اور عملی بنیادوں کو مسمار کرنے کا طویل المدت منصوبہ تھا اور چونکہ حضرت عثمانؓ دینِ اسلام کی فکری اور عملی صورت کی SYMBOL بن چکے تھے اس لیے انہیں نشانۂ ستم بنایا گیا۔ ہر انسان کو آخر مرنا ہے لیکن اس منصوبے سے دینِ اسلام کی عمارت میں جو نقب لگائی گئی وہ آج تک ختم ہونے کو نہیں آئی۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کی اہم پیشکش

● عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردِ مرزائیت کے سلسلہ کی اہم کتابیں ● جن کی اشاعت سے قادیانی ایوان لرز اٹھے
● کفر ارتداد اور بے دینی کے اس معاشرے میں ان کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

● مسئلہ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں (مولانا مفتی محمد شفیع سندھیلوی) ۱۸/- روپے ● قادیان سے اسرائیل تک (جناب ابو مدثرہ) ۴۰/- روپے
● قادیانیوں کو دعوت حق (مولانا محمد عبداللہ) ۲۵/- روپے ● تائیدِ آسمانی در ردِ نشانِ آسمانی (مولانا محمد جعفر تھانیسری) ۵/- روپے
● اسلام اور مرزائیت (تقابلی مطالعہ) (مولانا محمد عبداللہ) ۱۲/- روپے ● ردِ قادیانیت پر دس کتابچے ۱۰/- روپے

خصوصی رعایت

● کوئی ایک کتاب منگوانے پر ۲۰٪ رعایت ● مکمل سیٹ منگوانے پر ۳۳٪ رعایت اور ۱۰۰۰/- روپے کی کتب منگوانے پر ۴۰٪ رعایت اور ماہنامہ نقیبِ ختم نبوت ایک سال کے لئے مفت جاری کیا جائے گا۔

نوٹ: رقم پیشگی ارسال کریں۔ کتاب رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کی جائے گی۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ہو گا۔

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلس احرار اسلام پاکستان
دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔ فون ۷۲۸۱۳

محمد اکرام تائب

رنگ ہیں کتنے یہاں چہرہ سجانے کے لئے

مل گیا ٹھیکہ اگر ملبہ اٹھانے کے لئے
ڈھونڈ لوں گا راستہ میں گھر بنانے کے لئے
اک مصوّر کی دکاں لگتا ہے کمرہ آپ کا
رنگ ہیں کتنے یہاں چہرہ سجانے کے لئے
کاٹ دیتے ہیں حسیں زلفوں کو یہ گیسو تراش
یہ کہاں سے آ گئے ہیں دل جلانے کے لئے
کوڈ کرمینڈک کئی گاگر میں داخل ہو گئے
میں رکا جو نہر پہ پانی ملانے کے لئے
ہر محلّے کی گلی میں اب کھلا اسکول ہے
اب تو بچے بھی نہیں ملتے پڑھانے کے لئے
لے گئے ہیں پیر صاحب لوٹ کر سونا تمام
ایک تولے کا کوئی تولے بنانے کے لئے
کام کرنے کے لئے اب رہ گئے پیرانہ سال
نوجواں ہیں وقف تائب گیت گانے کے لئے

"نقیب" کی پچھلی اشاعت میں جناب تائب کی مزاحیہ نظم کا مقطع چھپنے سے رہ گیا تھا۔ ادارہ اس کے لئے محمد اکرام تائب اور قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ مقطع یہ ہے۔

لڑائی کے سوا یہ لڑکیاں پھر کیا کریں تائب
جہاں اک سال میں دو دن بھی استانی نہیں جاتی

شاہ بلیغ الدین

آگ

کوئی دیوانہ وار چلارہا تھا------ آگ، آگ! جو بھی یہ چیخیں سنتا خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا کہ آگ کدھر بھڑک اٹھی ہے؟ نہ شعلہ نہ دھواں------دور تک آگ کا نام و نشان نہ دیکھ کر ہیبت زدہ راہی سوچتا------- یہ کون شخص ہے؟ اور کیوں اس کرب سے چلارہا ہے؟ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ آگ دوسرے نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ تو اس بدنہاد کے دل و دماغ کی آگ تھی جو اسے جھلسائے دے رہی تھی۔ اس بدکردار کو زندگی ہی میں دوزخ میں جھونک دیا گیا تھا۔ حضرت ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ------ایک مرتبہ شام کے علاقے میں ایک بازار سے گزر رہا تھا۔ کہ یہ اندوہناک چیخیں مجھے سنائی دیں۔ میں اس شخص کے پاس گیا جو دیوانہ وار چلائے جارہا تھا اس کے قریب پہنچ کر جو کچھ حضرت ابو قلابہ نے دیکھا وہ کوئی بھی دیکھ لیتا تو ایک مرتبہ لرز کر رہ جاتا۔ آواز انسانی تھی لیکن یہ چیخیں گوشت کے ایک لوتھڑے سے نکل رہی تھیں۔ جو زمین پر گھسٹتا جارہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے تھے۔ دونوں آنکھیں اندھی تھیں۔ اللہ جانے کیا منظر اس کی اندھی آنکھوں میں بار بار پھر رہا تھا کہ وہ بے بس ہو کر چلاتا تھا------- آگ! آگ! ناممکن تھا کہ اس کی آواز سنکر جہنم کی آگ کا خیال نہ آئے۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیوں اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔

حضرت ابو قلابہ کہتے ہیں کہ------میں اس شخص کے پاس گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ----تو کون ہے؟

اس کے جواب سے معلوم ہوا وہ ان بلوائیوں میں سے ایک تھا۔ جو امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔

ذوالنورین ماہر نظم و نسق تھے، بہت بڑے مجاہد تھے بلا کی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ اتنے بڑے تاجر تھے کہ ان کے برابر مسلمانوں میں کوئی امیر تھا ہی نہیں۔ دولت بھی ایسی پاک کہ کبھی پیاسے مسلمانوں کے لئے کنواں خریدنے کے کام آئی۔ کبھی مسجد نبوی کو وسیع کرنے میں لگی، کبھی غزوۂ تبوک کے سروسامان میں خرچ ہوئی۔ ایک حضرت خدیجۃ الکبریٰ ایک حضرت ابوبکر اور ایک حضرت عثمان یہ تین ہی تو تھے جن کی دولت سب سے زیادہ مسلمانوں کے کام آئی۔ وہ کلام اللہ کے حافظ تھے اور کلام اللہ کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کرنے والے تھے۔ انہی نے امت کو ایک قراءت پر جمع کیا تھا۔ سبائی کوچہ گرد اسی لئے ان کی جان کے در پے ہو گئے حضرت عمر کو شہید کر کے آستین کے سانپوں نے سمجھا تھا کہ ملت اسلامیہ کو انھوں نے پارہ پارہ کر دیا۔ جیسے جیسے رومی اور مجوسی اپنے اپنے علاقوں پر دوبارہ قابض ہوتے جارہے تھے۔ سبائیوں کی بن آئی تھی لیکن حضرت عثمان نے آہنی دیوار بن کر اندرونی اور بیرونی ہر سیلاب کو روکا چھینے ہوئے۔ علاقے پھر واپس لے لئے۔ نظم و نسق کو پوری طرح گرفت میں

رکھا- منافق شورہ پشت اپنے خفیہ اڈوں سے نکلے ہی تھے کہ پھر روپوش ہو گئے- اسلامی مملکت عثمانی دور خلافت میں بہت پھیلی- ان ہی کی توجہ سے مسلمانوں کا پہلا بحری بیڑہ بنا اور مسلمانوں نے پہلی بحری فتح حاصل کی- وہ معاملہ فہم نہ ہوتے تو اتنے بڑے تاجر نہ ہوتے- وہ مدبر نہ ہوتے تو ابوبکر و عمر کے مشیر و وزیر نہ ہوتے- ان کی مالیاتی سوجھ بوجھ کام نہ آتی تو فارس کے مفتوحہ علاقے جاگیروں میں بٹ جاتے- اسلام کی مالیاتی پالیسی حضرت عمر نے بنائی- ان کا ہاتھ حضرت عثمان نے بٹایا-

منافق ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں- جھوٹ کے یہ پتلے ایک بات بھی صحیح ثابت نہیں کر سکتے- صدیق اکبر کے بعد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت معاویہ نے اسلامی مملکت کو مضبوط اور مستحکم بنایا- بس یہی بات یہودیوں اور ان کے چیلوں چانٹوں کو بری معلوم ہوتی ہے- اور یہ ان پر طرح طرح سے حرف گیری کرتے ہیں-

اس بدبخت نے ابو قلابہ کو تفصیل سنائی تو کہا------ میں امیر المومنین کے گھر میں کود کر حملہ کرنا چاہتا

تھا کہ ان کی شریک حیات آڑے آئیں میں نے انھیں ایک تھپڑ رسید کیا------ وہ گوشت کا لوتھڑا اپنی سرگزشت کیا سنا رہا تھا اس کی بدبختی منہ سے بول رہی تھی- اس نے کہا کہ------- میری دریدہ دہنی اور دست درازی دیکھ کر حضرت عثمان سے ضبط نہ ہو سکا فرمایا------ یہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ ناحق ایک پردہ دار بی بی پر ہاتھ اٹھاتا ہے؟

اور پھر انتہائی مظلومیت میں ان کی زبان سے نکلا------- خداوندا! اس ستمگار کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے! اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے! اسے آگ کا لقمہ بنا دے!-------- اس نے کہا یہ بددعا سن کر میرے ہوش اڑ گئے میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا-

مظلوم کی آہ کبھی رائیگاں نہیں جاتی- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں------- میں نے یہ منظر خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت عثمان کی فریاد پر عرش الہی لرز گیا تھا- حضرت عثمان تو محبوب رب العلمین کے محبوب تھے- جنت کی سب سے زیادہ بشارتیں انھی کو ملی تھیں- دنیا نے بہت جلد ان کی آہ رسا کا انجام دیکھ لیا-

یزید بن صبیب کہتے ہیں کہ ------امیر المومنین سے گستاخی کرنے والوں میں کوئی غضب الہی سے نہ چھوٹا- یہ دیوانے کتوں کی طرح پاگل ہو کر مرے- حضرت نافع کا بیان ہے-------- جس نے ان کا عصا اپنے گھٹنے کے بل پر توڑا تھا- اس کی وہ ٹانگ ہی سڑ گئی- حضرت حذیفہ بن یمان کا کہنا تھا کہ -------- اللہ کی قسم! قاتلین عثمان کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا کوئی اور نہیں-

ابو قلابہ سے اس سڑے گلے گوشت کے لوتھڑے نے کہا-------میرے ہاتھ پاؤں کٹ گئے- میری آنکھیں اندھی ہو گئیں- اب ایک آگ کا مرحلہ باقی ہے جو ضرور پورا ہو گا----- کون جانے جو آگ باہر سے نظر نہ آتی وہ اندر سے اسے کس طرح جلاتے جاتی تھی کہ وہ بے تحاشا چلانے لگتا تھا------- آگ، آگ، آگ!

حکیم محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

(قسط ۴)

امامت و خلافت

سیدنا علی کی ولایت و خلافت کے دلائل

دلیل اول:۔

شیعہ کے پاس قرآن حکیم میں سے تو سیدنا علیؓ کی خلافت کے بارہ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے اسلیے وہ اس حدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں جس کو "حدیثِ خم غدیر" کہتے ہیں، اور اس کو وہ سیدنا علیؓ کی خلافت بلافصل پر زبردست دلیل سمجھتے ہیں۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی اور آپ نے خم غدیر پر قیام فرمایا جو کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے تو بعض اشخاص نے جو یمن میں سیدنا علیؓ کی ماتحتی میں کام کرتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی بے جا شکایات کیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ اگر ماتحت لوگ اپنے افسر سے اس طرح بدگمانیاں کریں گے تو ملکی انتظام میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ عام لوگوں کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا جس سے آپ کی غرض سیدنا علیؓ کی برءت اور شکایات کرنے والوں کی تنبیہ تھی۔ آپ نے فرمایا

اے مسلمانوں کی جماعت! میں تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے بہتر نہیں ہوں؟ حاضرین نے کہا کیوں نہیں؟ پھر فرمایا جو مجھ کو دوست رکھتا ہے وہ علیؓ کو بھی دوست رکھے۔ اے اللہ! جو شخص علیؓ کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھیو اور جو علیؓ کو دشمن رکھے تو اس کو دشمن رکھیو۔

(ابن ماجہ احتجاج طبرسی ج ۱ ص ۷۰ باختلاف الفاظ)

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان تھا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا۔ چنانچہ بارہا جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو خدا کا پیغام سنایا کہ علیؓ کی ولایت اور امامت کا اعلان کیا جائے لیکن آپ ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے داماد کیلیے ایسا کرتا ہے۔ آخر جبرئیل علیہ السلام نے یہ آیت سنائی

"اے رسول! جو حکم تیرے رب نے تجھے دیا ہے اسکی تبلیغ کر دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو حق رسالت ادا نہ کیا۔ اور خدا لوگوں کے شر سے تیری حفاظت کرنے والا ہے۔ خدا کافروں کی رہبری نہیں کرتا۔" (القرآن)

آیت اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو سیدنا علیؓ کی ولایت یا خلافت پر صراحت یا کنایت سے دلالت کرے۔ حدیث کا صرف اس قدر مفہوم ہے کہ سیدنا علیؓ کی شکایات بے بنیاد ہیں اور ان کے ماتحتوں کو شکایت کرتے وقت یہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست کی شکایت کر رہے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت و پیار ہے۔ اور سیدنا علیؓ کی عداوت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو احکام اللہ تعالیٰ نے توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج کے بارہ میں نازل فرمائے ہیں انکو اچھے طریقے سے لوگوں تک پہنچا دینا چاہیے۔ اگر آپ ایسا نہ کریں تو حق رسالت ادا نہیں ہوگا اور لوگوں کی شر و ایذا کی کچھ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ ان سے آپ کا حافظ و ناصر ہے۔

شیعہ دھینگا مشتی سے اس آیت اور حدیث کو سیدنا علیؓ کی ولایت وخلافت میں گھسیٹنا چاہتے ہیں ۔ اگر اللہ تعالیٰ یہی چاہتے تھے کہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ کی خلافت کا اعلان کردے تو اسے گول مول الفاظ اور چیستان کی کیا ضرورت تھی ۔صاف طور پر یہ حکم فرماتے

"اے رسول! علیؓ کی خلافت کا اعلان کردیجیے"۔

پھر رسول اللہ جیسا افصح العرب ایسی گول مول بات کیوں کرتا بلکہ صاف طور پر فرما دیتا کہ

"اے گروہ مسلمین! میں اللہ کا رسول ہوں اور میری وفات کے بعد علیؓ میرا خلیفہ ہے"

جب اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں لوگوں کے شر سے آپکی حفاظت کا وعدہ فرمادیا تھا تو پھر کس شخص کا خوف تھا؟ بے کھٹکے آپ سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان فرمادیتے۔ لہٰذا شیعہ ایمان سے کہیں کہ اس آیت اور حدیث میں کون سا لفظ ہے جس سے سیدنا علیؓ کی خلافت پر استدلال کیا جاسکتا ہے؟

لفظ مولا کے معنی

شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ مولا سے مراد "اولی بالتصرف" ہے۔ اور اسی لفظ سے ولایت علیؓ پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جہاں تک لغت عربی کا تعلق ہے اسمیں یہ لفظ اس معنی میں موجود ہی نہیں ۔ مثال کے طور پر قاموس لغت عرب کی ایک مستند کتاب ہے اس میں اس لفظ کے مندرجہ ذیل معانی لکھے ہیں

"المولیٰ: المالک والعبدوالصاحب والقریب کابن العم ونحوہ والجار والحلیف والذین والعم والشریک والرّب والناصر والمحب والتابع والصھر

(القاموس جلد ۴ ص ۴۰۲ ہند)

مولیٰ کے معنی مالک اور غلام اور صاحب اور قریبی رشتہ دار جیسے چچازاد بھائی وغیرہ اور پڑوسی اور بیٹا اور چچا اور ساجھی اور آقا اور مددگار اور داماد ہیں

یہاں "مولیٰ کے معنوں میں کوئی لفظ "اولیٰ بالتصرف" نہیں۔ پھر ایسے مشترک لفظ سے جسکے اس قدر مختلف معانی ہوں حتیٰ کہ غلام اور بیٹے پر بھی اسکا اطلاق ہو، کس طرح استدلال صحیح ہوسکتا ہے؟ اس جگہ سوائے محب اور دوست کے کوئی اور معنی موزوں نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ حدیث کے لفظ "والی من والاہ وعاد من عاداہ" میں اس بات کا صاف قرینہ موجود ہے۔

اس بحث سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ کہ خلافت و امامت "منصوص من اللہ" ہے اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ "میرے بعد علیؓ خلیفہ ہونگے"۔

حدیث خم غدیر کو اس بارہ میں جو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اس کی اجمالی بحث تو گذشتہ سطور میں گذر چکی ہے۔ یہ بحث اس صورت میں ہے جب کہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جاوے،، کیونکہ اس حدیث کی سند پر محدثین نے کافی جرح کی ہے۔ لیکن بالفرض اس کو صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی اس کو بطور استدلال پیش نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ بہت سی صحیح روایات کے خلاف ہے اور درایتاً بھی غلط ہے۔

۱۔ شیعہ کی معتبر کتاب جلاء العیون میں لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے امور کا والی ہو اس کےلیے لازم ہے کہ انصار نیکوکار کی رعایت اور بدکار سے درگذر کرے اور یہ آپ کی آخری مجلس تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگئی۔ (جلاء العیون اردو جلد ۱ ص ۲۴، لکھنؤ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خم غدیر میں سیدنا علیؓ کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا۔ اگر آپ انہیں خم غدیر کے مقام پر خلیفہ مقرر فرما چکے ہوتے تو یہ نہ فرماتے کہ جو شخص مسلمانوں کے امور کا والی ہو۔۔۔ بلکہ آپ صاف الفاظ میں سیدنا علیؓ کو خطاب فرماتے کہ "اے علیؓ! تم میرے بعد چونکہ مسلمانوں کے امور کے والی ہو لہذا تم ایسا ایسا کرنا۔

۲۔ اسی کتاب میں شیعہ محدث نے ایک روایت نقل کی ہے کہ

"حضرت نے لوگوں کو رخصت کیا اور سب چلے گئے۔ عباسؓ اور ان کے بیٹے فضلؓ اور علی بن ابی طالبؓ اور اور اہل بیت مخصوص جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک رہ گئے۔ عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ! اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائے گا۔ پس ہم کو بشارت دیجئے کہ بادشاہ ہوں۔ اور اگر آپ جانتے ہیں کہ لوگ ہم پر ستم کریں گے اور ہم سے خلافت کو غصب کریں گے۔ پس اپنے اصحاب سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا تم کو میرے بعد ضعیف کریں گے اور تم پر غالب ہو نگے۔

(جلاء العیون جلد ۱ ص ۶۲، لکھنو الارشاد شیخ مفید ص ۹۹)

اگر سیدنا علیؓ کی خلافت کا فیصلہ خم غدیر پر ہو گیا ہوتا تو سیدنا عباسؓ یوں نہ فرماتے بلکہ فرماتے "اگر خلافت علیؓ جس کا آپ نے اعلان کر دیا ہوا ہے، قائم اور بحال رہے گی تو ہمیں خوشخبری دیجئے"۔

۳۔ یہی ملا باقر مجلسی اپنی ایک اور کتاب میں ایک روایت نقل کرتا ہے کہ "عامر بن طفیل اور زید بن قیس آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے آئے۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو عامر نے کہا۔ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا تجھے وہ کچھ ملے گا جو تمام مسلمانوں کو ملے گا۔ اس نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسکا اختیار خدا کو ہے مجھے اور تجھے اس بابت میں دخل نہیں"

(حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۲۳، لکھنو)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سیدنا علیؓ کے حق میں خم غدیر کے مقام پر فیصلہ ہو گیا ہوتا تو آپ ارشاد فرماتے کہ خلافت کا فیصلہ اور اعلان تو ہم علیؓ کے حق میں فرما چکے ہیں۔ لہذا اسکا مطالبہ بے سود ہے۔

۴۔ مقام خم غدیر پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زائد صحابہؓ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اگر اس سے مراد سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان ہوتا تو یہ بات ناممکن تھی۔ وہ اصحابؓ رسول جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ ابرو پر اپنی جانیں قربان کر دیتے تھے اور آپ کے ارشادات کو وحی الٰہی کا درجہ دیتے تھے آپ کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ کو جن کی خلافت کا اعلان بقول شیعہ خم غدیر پر کیا گیا تھا، سب کے سب چھوڑ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ اور اعلان کے خلاف سیدنا ابو بکر کی خلافت پر اجماع کر لیتے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے

"جب رات ہوئی جناب امیر حسنینؓ کو اپنے ہمراہ لے کر ایک ایک گھر مہاجرین و انصار کے پھرے مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایت تین آدمیوں کے اور کسی نے بیعت قبول نہ کی"

(جلاء العیون اردو جلد ۱ ص ۱۴۹)

یہ روایت نفس الرحمان فی فضائل سلمان باب ۱۱، انوار النعمانیہ جلد ۱ ص ۱۰۴، احتجاج طبری ص ۱۰۷ پر بھی درج ہے۔

شیعہ کو یہ تسلیم ہے کہ سوائے چار حضرات مقدادؓ ابوذر غفاریؓ، اور سلمانؓ فارسی، اور عمار بن یاسرؓ، کے باقی تمام اصحاب رسول نے جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ سیدنا ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور انہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ پوری امت کا گمراہی پر کبھی اجتماع نہیں ہو گا۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے ہی امت مسلمہ کے خواص بیان کرتے ہوئے تیرھواں یہ خاصہ بیان کیا ہے کہ۔

"اللہ تعالیٰ اس امت کو بھوک سے کبھی ہلاک نہیں کرے گا اور ان کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا۔

(حیات القلوب جلد ۲ ص ۱۳۲، لکھنؤ)

ان دونوں چیزوں کی روشنی میں یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ پوری امت نے گمراہی پر جمع ہو کر سیدنا علیؓ کے بجائے سیدنا ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم کرلیا اور رسولؐ خم غدیر کے اعلان کی جس میں خلافت علی کا قریباً ایک لاکھ سے زائد لوگوں کے سامنے اعلان کیا گیا تھا، کوئی پروا نہ کی۔ اس بات کو نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ نقل، نہ روایتاً یہ بات درست ہے اور نہ درایتاً۔ لہٰذا یہ ماننا پڑیگا کہ یہ بات عقلی اور نقلی لحاظ سے بالکل درست نہیں کہ خم غدیر کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت علیؓ کا اعلان کر دیا تھا۔

۵۔ اگر خم غدیر کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا کی خلافت کا اعلان فرما دیا ہوتا تو سیدنا علیؓ اپنے دعوی خلافت کے وقت اس حدیث سے ضرور استدلال کرتے۔ لیکن کتب کے مطالعہ سے یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ سیدنا علیؓ نے کسی موقع پر بھی اپنی خلافت کے لیے اس حدیث سے استدلال نہیں فرمایا بلکہ اسکے برعکس آپ تو خلافت کے شورائی ہونے کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر آپ نے سیدنا معاویہؓ کو اپنی خلافت منوانے کے لئے یہ نہیں لکھا کہ میری خلافت خم غدیر کی حدیث (نص) سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خلافت کا اعلان خم غدیر کے موقع پر فرمایا تھا بلکہ لکھا

"میری بیعت ان لوگوں نے کی جنھوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت کی تھی اور انہی شرائط پر کی ہے جن شرائط پر ان کی بیعت کی تھی۔ شوریٰ مہاجرین اور انصار کا حق ہے۔ پس اگر وہ اتفاق کر کے کسی شخص کو امام نامزد کر دیں تو اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

(نہج البلاغہ ص ۴۴۶، بیروت)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے نزدیک بھی خلافت اور امامت منصوص نہ تھی بلکہ ان کے نزدیک صحیح خلیفہ وہ تھا جس کو مہاجرین و انصار متفقہ طور پر خلیفہ نامزد کر دیں۔

۶۔ جس وقت آپ نے غدیر خم پر خطبہ ارشاد فرمایا اس وقت صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نبوت بھی وہاں موجود تھے۔ سیدنا عباسؓ وہاں موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے اس حدیث کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سیدنا علیؓ خلیفہ اور امام ہونگے۔ پھر وفات نبوی کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت زیر بحث آیا۔ جس میں وہ صحابہ کرام بھی شریک تھے جو غدیر خم کے اس خطبہ میں موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے اس حدیث کو امامت و خلافت علیؓ کے لیے پیش نہیں کیا۔ نہ ہی سیدنا عباسؓ نے اور نہ ہی بنوہاشم کے کسی اور فرد نے کسی وقت بھی سیدنا علیؓ کے استحقاق خلافت کے لیے اس حدیث کو پیش کیا۔

۷۔ خود شیعہ حضرات کو بھی حدیث خم غدیر پر اطمینان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنا دعوی ثابت کرنے کیلیے حدیث قرطاس سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر غدیر خم کے موقع پر ہی خلافت کا فیصلہ ہو چکا تھا تو پھر وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت کا فیصلہ لکھنے کے لیے قلم اور دوات منگوانے کی کیا ضرورت تھی!

اور اگر کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اطمینان نہ تھا کہ آپ کا غدیر خم کا اعلان مان لیا جائیگا تو پھر جب کھلے عام فیصلے پر جو ایک لاکھ سے زائد لوگوں کے سامنے بحالت صحت کیا گیا تھا۔ اطمینان نہ تھا تو بحالت مرض ایک تنگ حجرے میں چند حضرات کے سامنے اعلان خلافت پر کس طرح اطمینان ہو سکتا تھا۔ روایتاً بھی یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(ملاحظہ ہو نصب الرایہ جلد ۱ ص ۳۶۰)

اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

فلا یصح من طریق الثبوت اصلاً یہ روایت معتبر طریقہ سے ہرگز ثابت نہیں۔

(منہاج السنہ جلد ۴ ص ۶۸)

یہی بات ابن کثیر نے لکھی ہے

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۵۱)

بتایا یہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنا ولی امت کا امام اور رسول کا وصی کا مقرر فرمایا، لیکن شیعہ روایات ہی بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علیؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا باقرؒ نے قرآن حکیم کی آیت لیس لک من الامر شیٔ (تجھے اے پیغمبر کسی معاملہ کا قطعاً کوئی اختیار نہیں) کے بارے میں فرمایا بخدا! رسول اللہ کو اختیار تھا۔ راوی نے پوچھا کہ پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مفہوم ہے؟ اور اسکی کیا تاویل ہے؟ سیدنا باقرؒ نے فرمایا

انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرص ان یکون الامر لامیرالمومنین من بعدہ فابی اللہ

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے شدید متمنی تھے کہ اللہ تعالیٰ علیؓ کے لیے خلافت بلافصل کا حکم فرمائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والاسلام کی اس خواہش کو پورا کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔۔

(تفسیر فرات الکوفی ص ۱۹، مطبوعہ نجف اشرف)

سیدنا علیؓ کا اپنا عمل بھی یہ بتاتا ہے کہ حدیث غدیر خم کا وہ مطلب نہیں ہے جو شیعہ حضرات سمجھتے ہیں، کیونکہ آپکے دل میں خلیفہ ہونے کی بالکل خواہش نہیں تھی بلکہ آپ تو خلافت سے بالکل انکار کرتے رہے۔ چنانچہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ کی بیعت میں داخل ہونے کی کچھ لوگوں نے درخواست کی تو آپ نے فرمایا تھا

دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امراً لہ وجوہٌ والوان

مجھے چھوڑ دو اور اس منصب کے لیے کسی اور کو تلاش کرو کیونکہ ہم ایسے معاملہ میں پڑنے والے ہیں جس کے مختلف چہرے اور عجیب و غریب رنگ ہیں۔

پھر فرمایا

وان ترکتمونی فاناکاحدکم ولعلّی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم وانالکم وزیراً خیرلکم منی امیراً

اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا (یعنی مجھے خلیفہ نہ بنایا) تو میں بھی تمہارا ساتھی ہوں گا۔ پھر جس کو تم خلیفہ منتخب کرلو گے اسکی فرمانبرداری اور خدمت گذاری میں تم سب سے آگے ہوں گا۔ اور میرا وزیر بن جانا تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ تم مجھے امیر مقرر کرو۔ (نہج البلاغہ ص ۱۷۸، بیروت)

چنانچہ اس خطبہ کی شرح میں ابن میثم نے لکھا ہے

وان ترکتمونی -----ای کنت کاحدکم فی الطاعہ لامیرکم بل لعلّی اطوعکم لہ ای لقوۃ علمہ بوجوب طاعہ الامام

اور اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا--- تو میں امیر کی اطاعت کرنے میں تمہاری مثل ہوں گا اور شاید کہ میں تم سے زیادہ اطاعت کروں کیونکہ امام کے وجوب اطاعت کے متعلق آپ کا علم قوی ہے۔ (ابن میثم جلد ۲ ص ۳۸۷)

اگر سیدنا علیؓ غدیر خم کے موقع پر خلیفہ بلافصل مقرر ہو گئے تھے تو آپ نے اپنے خلیفہ بنائے جانے سے انکار کیوں کیا۔ آپکو تو کہنا چاہیئے تھا کہ مجھ سے پہلے ہی زیادتی ہوئی ہے۔ میری اب ضرور بیعت کرو کیونکہ مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم پر خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ (باقی آئندہ)

خادم حسین

زبان میری ہے بات ان کی

____ تعلیمی نصاب میں خاندانی منصوبہ بندی کا موضوع شامل کیا جائے گا۔ (عابدہ حسین)

گھر کی بات ہے "تعلیمی نصاب" میاں ہے اور "منصوبہ بندی" بیوی۔

____ شیطانی کتاب کا مترجم قتل ہوگیا۔ (ایک خبر)

شیطانی کاموں کا یہی حشر ہوتا ہے۔

____ بے نظیر نے جنہیں رہا کیا وہی تخریب کاری کر رہے ہیں۔ (اعجاز الحق)

بے نظیر لیڈر ، بے مثال جیالے

____ وائیں بہشتی دروازے سے گزرے۔ (ایک خبر)

اس سے پنجاب کے بے گناہ لوگوں کا خون معاف نہیں ہوگا!

____ جنرل ارشاد کے بیٹے کا نام سکول سے کٹ گیا۔ بنگلہ دیش کے سابق حکمران کے خاندان کو غریبی نے گھیر لیا۔ (ایک خبر)

ہم نے کئی ایسے حکمرانوں کو کٹے ہوئے پتنگوں کی طرح کوٹھوں پہ پڑے ہوئے دیکھا ہے۔

____ اجرت مانگنے کی سزا۔ حجام نے تھانے میں چھتر کھائے، اور رشوت دے کر جان چھڑائی۔ (ایک خبر)

____ پولیس کے سلوک کے شکار کئی بے گناہ قیدی جیل میں ذہنی توازن کھو بیٹھے (روداد خبر)

____ تھانے میں تین وقت کا کھانا مفت نہ بھیجا گیا تو کسی مقدمے میں پھنسا دیا جائے گا۔ (مقامی چرغہ ہاؤس۔ موڑ کھنڈا)

____ بچے کے اغوا کی رپٹ لکھوانے کے لئے جانے والی ماں تھانے میں بے عزت ہوگئی۔ (روزنامہ خبر)

____ اچھرہ پولیس کہتی ہے شکایتوں سے باز آ جاؤ، ورنہ قتل کرا دیں گے۔ (مہر علی کی رٹ)

مسلم لیگ کی حکومت ہے بابا!

_____ امریکی تاریخ کا سب سے بڑا فراڈ۔ انشورنش کمپنیوں سے ایک ارب ڈالر ہتھیا لئے گئے
(ایک خبر)

مغربی معاشرہ کو آئیڈیل کہنے والو شرم کرو!

_____ وزیر اعظم نے سیاست دانوں کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرکے ان کی توہین کی ہے
(ترجمان پی پی پی پنجاب)

قاتلوں، چور اچکوں، لیٹرے لفنگوں، بدمعاشوں اور رسّہ گیروں کے لئے کون سے

الفاظ زیبا ہوتے ہیں جناب!

_____ نسیم اختر سے کوئی تعلق نہیں وہ صرف میری فین ہے (جان شیر)

اور "فین" خوب ہوا دیتا ہوگا۔

_____ دیور کی ہوس کا نشانہ بننے والی بھاوج ہسپتال میں چل بسی۔ (ایک خبر)

دیوث لوگوں کے نزدیک ایسی بات کوئی وزن نہیں رکھتی۔

_____ کاغذات مکمل ہونے کے باوجود تھانیدار نے چالان کردیا۔ (ایک خبر)

جامنی یا سرخ رنگ کا کاغذ ان میں نہیں ہوگا۔

_____ جنگ ۔ ہماری غلطی تھی۔ (صدام کا اعتراف)

"ہائے! اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا"

_____ ۴ ڈالر میں بچہ بیچ ڈالا۔ (ایک خبر)

غربت اور ممتا!

_____ بدچلنی کے شبہ میں بیٹے نے ماں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (ایک خبر)

غیرت اور بیٹا!

_____ دوست کی بیوی کو اغوا کر لیا - ملزم کا دوست کے گھر آنا جانا تھا۔ (ایک خبر)

پردے کی مخالفت، مخلوط معاشرہ، بوائے فرینڈ

چھوپو، چھوپو، ہور چھوپو گئے۔

_____ مصطفےٰ کھر پارٹیاں اور وفاداریاں بدلتے وقت "عدت" کے دن بھی پورے نہیں کرتے۔
(شیخ رشید)

اس قبیلے کا ہر پیر و جواں گستاخ ہے۔

____ حج سے واپسی پر سندھ کے بدنام ڈاکو محب شیدی کو کراچی میں کئی لاکھ روپے کے نوٹوں کے ہار پہنائے گئے۔ اندرونِ سندھ تعمیراتی اداروں کے مالکان نے ڈاکو کو ایک کروڑ روپے نذرانہ پیش کیا۔ (ایک خبر)

قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس میں سے کتنا حصہ ملا ؟

____ شرابی پولیس ملازم نے ہجوم پر فائرنگ کر دی۔ (ایک خبر)

زندہ باد، قوم کے محافظ زندہ باد !

____ پی آئی اے کے سات جنرل منیجر میٹرک پاس ہیں۔ (سینیٹ میں وقفۂ سوالات)

____ سابقہ دور میں تین اے ایس آئی انڈر میٹرک بھرتی کئے گئے۔ (ایک خبر)

رشوت کے ذریعے عہدے دلانے والے افسر اور رشوت دینے والوں پر لعنت بے شمار۔ بکار ثواب !

____ زمیندار نے غنڈوں کی مدد سے غریب مستری کو برہنہ کر کے نجاست منہ پر باندھ دی۔ (ایک خبر)

____ ملتان کے زمیندار نے ۱۲ سالہ ملازم کو قتل کر دیا۔ (ایک خبر)

خدایا یہ ظالم لٹیرے یوں ہی دندناتے رہیں گے۔

____ "مُک مُکا ہوگیا" پشاور کسٹم ہاؤس سے چوری ہونے والے ۲۳ کلو سونے کا کیس داخل دفتر۔ "بڑے" صاف بچ گئے۔ (ایک خبر)

شکایت کنندہ کو پہلے ہی حصہ مل جاتا تو کیس تک نوبت نہ آتی۔

مولانا عبدالقادر آزاد سفر کے دوران شرارتیں کرتے رہے۔ (مفتی محمد حسین نعیمی)

۵ خلافِ شرع شیخ تھوکتا بھی نہیں۔
مگر اندھیرے اجالے میں چوکتا بھی نہیں

مولانا عبدالستار جھنگوی
استاذ مدرسہ معمورہ ملتان

مراد نبیؐ داماد علیؓ

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حق کے ساتھ سیدنا عمرؓ کی محبت اور باطل کے ساتھ آپ کی دشمنی ضرب المثل تھی یہی وجہ تھی کہ فاروق اعظمؓ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے زبان نبوت سے بارہا جنت کی بشارت حاصل کی حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ عمرؓ اہل جنت کے چراغ ہیں۔ (ابن عساکر) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا پس سیدنا عمرؓ نمودار ہوئے ترمذی، طبرانی نے اوسط میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عمرؓ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے عمرؓ سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی اللہ تعالیٰ نے اہل عرفہ سے عموماً اور عمرؓ پر خصوصاً فخر فرمایا۔ جتنے انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں آئے ان کی امت میں ایک محدّث ضرور ہوا اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہیں صحابہؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محدّث کسے کہتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جس کی زبان سے ملائکہ گفتگو کریں
(تاریخ الخلفاء)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے جبریل علیہ السلام کہتے تھے کہ عمرؓ کی وفات پر اسلام روئے گا۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں سیدنا عمرؓ جب اسلام لائے تو آسمان سے جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا یا محمدؐ آسمان والوں میں عمرؓ کے اسلام لانے سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

عبداللہ بن سلمہؓ کہتے ہیں میں نے شیر خدا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ رسول اللہ کے بعد تمام لوگوں میں بہتر ابو بکرؓ ہیں اور ابو بکرؓ کے بعد تمام لوگوں میں برگزیدہ عمرؓ ہیں۔ (ابن ماجہ)

قبول اسلام

سیدنا عمرؓ ستائیس برس کے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ان دنوں میں آپؓ صفا کے مکان میں رہائش پذیر تھے جو کہ صفا مروہ کے درمیان واقع تھا سیدنا عمرؓ کے گھرانے میں توحید کی آواز حضرت سعیدؓ کے قبول اسلام سے گونجی حضرت سعیدؓ سیدنا عمرؓ کے بہنوئی تھے اور پھر آپ نبی کریمؐ کی دعا سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تفسیر صافی شیعہ ص ۳۲۰ پر مرقوم ہے۔ والعیاشی عن الباقر علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن ھشام۔ عیاشی کے حضرت امام محمد باقر سے روایت کی ہے جناب رسول اللہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی یا اللہ تو اسلام کو عزت وغلبہ دے عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعہ۔

جب آپؓ نے اسلام قبول کر لیا تو ایک شخص کسی چرواہے سے ملا اور کہا۔ جانتے ہو وہ مرد توانا مسلمان ہو گیا چرواہے نے جواب دیا وہی جو عکاظ کے میلے میں کشتی لڑتا تھا اس شخص نے کہا ہاں۔ یہ سن کر چرواہا بولا قسم بخدا وہ ان میں خیر وشر کو ضرور وسعت دے گا۔

فراست

جب حضرت ابو مسلم خولانی مدینے سے یمن میں داخل ہوئے تو اسود عنسی کذاب مدعی نبوت نے انہیں مجبور کیا کہ اسے رسول مان لیں ابو مسلم نے انکار کردیا اس نے پوچھا: کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتا ہے ابو مسلم نے فرمایا ہاں یہ سن کر اس کذاب نے آگ جلوائی اور اس میں ابو مسلم کو ڈلوادیا تو آگ نے انہیں نہ جلایا لہذا اس نے جلا وطنی کا حکم دے دیا ابو مسلم مدینہ تشریف لائے جب مسجد نبوی کے دروازے میں داخل ہوئے تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا وہ دوست ہے جسے اسود کذاب نے جلانا چاہا تو اللہ نے اسے بچالیا حکم بن ابی العاص الثقفی کہتے ہیں میں سیدنا عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا ایک آدمی آیا اور سلام کیا سیدنا عمرؓ نے فرمایا کیا تیرے اور اہل نجران کے درمیان کوئی قرابت داری ہے؟ وہ بولا نہیں آپؓ نے فرمایا ہے۔ اس شخص نے کہا نہیں۔ فرمایا خدا کی قسم ہے میں ہر اس شخص کو قسم دیتا ہوں جو اس معاملہ میں کوئی بصیرت رکھتا ہے کہ وہ بیان کرے ایک شخص بولا ہاں امیر المومنین اس کے اور اہل نجران کے درمیان فلاں فلاں طرف سے عزیز داری ہے آپؓ نے فرمایا دیکھا ہم لوگ آثار قدیمہ کا کھوج لگانے والے ہیں۔

خلافت کے بعد پہلا خطبہ

مجھے تم سے آزمایا جارہا ہے اور تمہیں مجھ سے میں اپنے دونوں پیشرووں کے بعد تم میں جانشین بن رہا ہوں جو چیز ہمارے سامنے ہوگی اسے ہم شخصی طور پر انجام دیں گے اور جو چیز غائب ہوگی تو اس کے لیے قابل اور دیانت دار آدمی کو مقرر کریں گے جو اچھا کام کرے گا اس پر ہمارا احسان بھی زیادہ ہوگا اور جو برا کام کرے گا ہم اسے سزا دیں گے اللہ ہمیں اور تمہیں معاف کرے۔

آپؓ نے جبر کے مارے لوگوں کو کیسے آزاد کیا

فرمایا کرتے تھے، تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنالیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے۔ سیدنا عمرؓ کا دور غزوات اور فتوحات کا دور تھا جس میں فتح و نصرت نے اسلامی علم سے پیمان وفا باندھ رکھا تھا ان کی حکومت مشرق میں افغانستان مغرب میں تیونس اور شمال میں قزوین اور جنوب میں بلاد نوبہ سے جاملی تھی ان فتوحات نے اس زمانے کی دنیا کو حیرت میں ڈال دیا جنہوں نے واقعات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد ان کے اسباب کی پڑتال کرنا چاہی۔ سیدنا عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں رات کو گشت کیا کرتے تھے کوئی حاجت مند آپ کے دروازے سے خالی نہ جاتا تھا ایک مرتبہ سخت گرمی میں دوپہر کے وقت بیت المال کے اونٹ تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے بڑی تکلیف کے بعد اونٹ ملے آپ ان کو لیے واپس آرہے تھے دھوپ سے چہرہ سرخ ہورہا تھا ادھر سیدنا علیؓ آرہے تھے انہوں نے اس حال میں دیکھا تو تڑپ اٹھے کہنے لگے ملازموں کو اونٹوں کی تلاش میں بھیج دیتے خود تکلیف کیوں کی۔ آپ نے جواب دیا۔ اے علیؓ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ملازموں سے نہیں مجھ سے جواب طلب کرے گا کہ اے عمرؓ تو نے ایسی غفلت کیوں کی کہ بیت المال کے اونٹ گم ہوگئے۔ یہ سن کر سیدنا علیؓ نے فرمایا امیر المومنین آپ کامیاب ہوگئے۔

فکر آخرت

اس عروج و اقبال کے باوجود خدا سے ڈرنے والے تھے پوری زندگی خدا کے خوف میں گذار دی ایک مرتبہ سورۃ تکویر کی تلاوت کررہے تھے جب اس آیت پر پہنچے، وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ "جب اعمال نامے کھولے جائیں گے" تو بے ہوش ہوکر گر پڑے اور کئی دن تک علیل رہے اور کہ لوگ عیادت کو آتے تھے۔

ام المومنین کا خواب

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کے میرے گھر میں تین چاند اُترے میں نے یہ خواب اپنے والد سے بیان کیا آپؓ نے تعبیر فرمائی کہ تمہارے گھر میں دنیا کے تین بہترین افراد دفن ہوں گے چنانچہ جب ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال ہوا اور حجرہ عائشہؓ میں دفن کیے گئے تو حضرت سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا اے عائشہ یہ تمہارے تین چاندوں میں بہترین چاند ہے اور جب ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ھ کو ابو بکر کا انتقال ہوا اور انہیں نبی اکرم کے پہلو میں دفن کردیا تو آپ کو اپنا خواب یاد آیا یہ دوسرا چاند تھا اب سیدہ عائشہ کو انتظار تھا کہ تیسرا چاند کون ہے؟ جب سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت ہوئی تو سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی اجازت سے آپؓ کو سیدنا صدیق اکبرؓ کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔

موت کا استقبال

۲۳ھ میں آپؓ نے آخری حج ادا کیا حج سے واپس تشریف لا رہے تھے راستے میں ایک درخت کے نیچے کپڑا بچھا دیا پھر اُس پر لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی اے اللہ میرے قوی اعضاء کمزور ہوگئے میری رعایا دور تک پھیل گئی اب تو مجھے اس حالت میں اُٹھا کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں۔ حضرت کعب بن احبارؓ نے کہا میں تورات میں دیکھتا ہوں کہ آپ شہید ہوں گے آپؓ نے فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے کہ مدینہ میں رہتے ہوئے شہید ہو جاؤں پھر دعا فرمائی: اے خداوندا مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا کر اور اپنے محبوب کے مدینہ میں پیغام اجل عطا فرما تمام مؤرخین آپؓ کی شہادت کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ابولؤلؤ فیروز نامی ایرانی مجوسی کے ہاتھوں نماز کی حالت میں زخمی ہوئے سیدنا عمرؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا آپ نے سب سے پہلے دریافت فرمایا کہ میرا قاتل کون تھا لوگوں نے کہا فیروز اس جواب سے چہرہ پر بشاشت ظاہر ہوئی اور زبان سے فرمایا الحمدللہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا سیدنا عمرؓ تنہا زخمی نہیں ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا مدینہ زخمی ہوا خلافت اسلامیہ زخمی ہوئی غم میں ڈوبے ہوئے لوگ آپ کی عیادت کے لئے آتے تھے اور بے اختیار آپ کی تعریفیں کرتے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر آج میرے پاس دنیا بھر کا سونا موجود ہوتا تو میں اسے خوف قیامت سے نجات حاصل کرنے کے لئے قربان کر دیتا اب کرب و تکلیف کی حالت شروع ہو چکی تھی لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ پانچ جماعتوں کے حقوق کا لحاظ رکھے مہاجرین کا انصار کا اعراب کا ان اہل عرب کا جو دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے ہیں اور اہل ذمہ کا پھر ہر جماعت کے حقوق کی تشریح فرمائی انتقال سے پہلے اپنے بیٹے عبداللہ سے ارشاد فرمایا میرے کفن میں زیادہ خرچ نہ کرنا اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائے گا اگر بہتر نہیں ہوں تو بہتر کفن بے فائدہ ہے پھر فرمایا میرے لیے لمبی چوڑی قبر نہ بنائی جائے اگر میں اللہ کے ہاں مستحق رحمت ہوں تو خود بخود میری قبر حد نگاہ تک وسیع ہوجائے گی پھر فرمایا میرے جنازے کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے جب میرا جنازہ تیار ہوجائے تو مجھے جلد قبر میں پہنچا دیا جائے اگر میں مستحق رحمت ہوں تو مجھے رحمت ایزدی تک پہنچانے میں جلدی کرنی چاہیئے اس دردانگیز وصیت کے بعد فرشتہ اجل سامنے آگیا اور آپ نے جان آفریں کے سپرد کردی حضرت ابن ابی ملیکہؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے سنا کہ جس دن سیدنا عمرؓ شہید کیے گئے آپ کو نہلا کر چارپائی پہ رکھا گیا تو چاروں طرف سے لوگوں نے آپؓ کو گھیر لیا اور میں بھی انہیں میں سے تھا کسی نے پیچھے سے آکر میرا قمیص پکڑا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سیدنا علی المرتضیٰؓ تھے میں نے ان کے سر جُدا چھوڑ دی سیدنا علیؓ نے سیدنا عمرؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا اے عمرؓ تو دنیا سے جارہا ہے۔ لیکن اپنے پیچھے کسی ایسے آدمی کو چھوڑ کر نہیں جارہا کہ جس کے اعمال تیرے جیسے ہوں مجھے امید ہے کہ اللہ پاک آپ کو

(بقیہ ۶۲ پر)

آخری قسط

قاضی مظہر چک والی اور سبائی ٹولہ

پختہ سبائی

ص۶۹ کے آخر میں لکھتے ہیں "مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش نے اپنے زیر بحث مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ "صحیح بات تو یہ ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب پختہ سبائی ہیں اور حُبِ ابن سباء سے سخت مغلوب ہیں اس لئے وہ جلیل القدر صحابہ پر تبرے بکتے ہیں ص۲" پھر ص۲-۳" پر دوبارہ لکھا کہ "لیکن یہی درویش صاحب میرے متعلق لکھ رہے ہیں کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب پختہ سبائی ہیں اور حُبِ ابن سبا سے مغلوب ہیں۔ اس لئے وہ جلیل القدر صحابہ رض پر تبرے بکتے ہیں" آگے لکھتے ہیں "اس خادم اہل سنت کو پختہ سبائی کہنا اس صدی کا بہت بڑا جھوٹ ہے جس کا ارتکاب ایک نقشبندی درویش قاضی محمد شمس الدین نے کیا ہے ص۳"

جواب: جناب جب اپنے مخالف کو لکھیں گے کہ مولوی عطاء المحسن بخاری نے انتہائی تلبیس اور بہتان تراشی سے کام لیا ہے (ص۸ رسالہ مولوی عطاء المحسن بخاری کی جاہلانہ جسارت) پھر لکھا "سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری پختہ یزیدی ہیں اور حُبِ یزید سے مغلوب ہیں (ص۱۴ رسالہ مذکورہ) تو کیا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری کو پختہ یزیدی اور حُبِ یزید سے مغلوب لکھنا اس صدی کا سب سے بڑا سچ ہے جو آپ نے لکھا ہے؟ پھر جب آپ اپنے مخالف کو انتہائی تلبیس کرنے والا ہے بہتان تراش، پختہ سبائی، حُبِ یزید سے مغلوب لکھیں گے تو آپ بھی حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے نہیں ہیں کہ کوئی آپ سے یہ بھی نہ پوچھ سکے حضرت جی! آپ کے منہ میں کتنے دانت ہیں۔

دنیا ہے مثل گنبد جیسے یہاں کہو گے
ویسی ہی اے بزرگو خود آپ بھی سنو گے

تو پھر مخالف بھی آپ کو پختہ سبائی اور حُبِ ابن سبا میں مغلوب اور صحابہ رض پر تبرے بکنے والا لکھے گا آپ کو بھی یہ پڑھنے کے لئے تیار رہنا چاہیے یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ کیا آپ نے ایک موضوع روایت کی آڑ لے کر قائد غزوہ ذات السلاسل حضرت عمرو بن عاص کو جن کے مقتدی اس غزوہ میں حضرت صدیق اکبر حضرت فاروق اعظم رض اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رض جیسے تینوں عشرہ مبشرہ کے جلیل القدر اکابر صحابہ رض تھے۔

ان کے علاوہ بھی سب صحابہؓ ہی تھے) اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ گناہوں کے مرتکب یقیناً سخت نافرمانی اور حکمِ خداوندی کا خلاف کرنے والے تبرے نہیں لکھے ؟ اگر انصاف کا کچھ بھی مادہ ہو تو انصاف آپ ہی کرلیں کہ سبائی بھی تو تبرے بکتے ہیں من لا یرحم لا یرحم

عیادت نامہ کی بات

اپنا قد در کاٹھ اونچا کرنے کے لئے صنؔ پر ان ہی چکوالی صاحب نے (۲) کے تحت فقیر کے عیادت نامہ کا صرف ادھورا حصہ نقل کرکے آگے مطلب کی بات کو الخ لکھ کر چھوڑ دیا۔ جب کہ فقیر نے لکھا تھا کہ دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنی بساط اور استعداد کے مطابق جناب کی جو مساعی جمیلہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو آپ کا زادِ آخرت بنائے زلّات کو معاف فرمائے۔ پھر آگے فقیر نے یہ بھی لکھا تھا جو اصل مقصود عیادت نامہ تھا اور جس کو چکوالی صاحب نے دانستہ الخ چھوڑ کر چھوڑ دیا) کہ جناب نے خارجی فتنہ ص۴۰۴ تا ص۴۰۸ حصہ اول میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا خصائص بیہقی سے جو حوالہ دیا کہ حکمین خطا کریں گے یا کہ فضلاً واضلاً اور وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔ (استغفر اللہ)

امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر اور موضوع ہے۔ (۲) بیہقی خود ایرانی ہیں اور حاکم نیشاپوری کے شاگرد ہیں۔ اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حاکم شیعہ تھے اور ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ بیہقی کذابین اور وضاعین یعنی بہت بڑے جھوٹوں اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں سے حدیثیں نقل کر لیتے ہیں۔ (۳) اور خود آپ نے بھی بشارت الدارین ص۵۹ پر بیہقی کو غیر معتبر کتابوں میں گنایا ہے تو اگر صحت اجازت دے تو ابن کثیر ص۲۱۵ ج ۶ اور ص۲۸۲ ج ۷، دیکھ لیں اور اس وضوحِ حق کے بعد جناب ان عبارتوں سے رجوع فرما کر ان دونوں حکمین صحابہؓ کی روح سے معافی طلب کریں! واللہ سبحانہٗ ولی التوفیق ؛

یہ تھا خط کا وہ حصہ جو فقیر کا مقصودِ اصلی تھا۔ اور اسی حصہ کو چکوالی صاحب نے الخ لکھ کر چھوڑ دیا اور جو حصہ نقل کیا اس میں بھی "اپنی بساط اور استعداد" کے الفاظ موجود ہیں یعنی جتنی آپ کی علمی حیثیت اور لیاقت ہے۔ پھر آگے یہ بھی ہے کہ اللہ آپ کی زلّات یعنی غلطیوں کو معاف فرمائے۔ مطلب یہ کہ تحریروں میں آپ سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ حصہ چونکہ کڑوا تھا اس کو "تھو" کر گئے اور پہلے مفید مطلب میٹھے حصہ کو ہڑپ کر لیا۔ تو یہ ہے حقیقت عیادت نامے کی۔ اس خط کے رسیدی جواب میں لکھا کہ جواب پھر دوں گا لیکن آج گیارھواں مہینہ چل رہا ہے اور مندرجہ بالا تلخ لقمہ نگلنا بھی مشکل اگلنا بھی مشکل اس لئے جواب سے جواب ہی ہے۔

قصہ کاپڑیا کا

ایک شیعہ یا نیم شیعہ کاپڑیا صاحب کا ایک مضمون" بعنوان خاتونِ جنت ص۸۔۶۷ ماہنامہ حق چار یارؓ شمارہ شعبان سنہ ۱۴۱۰ھ میں چھپا تھا فقیر نے مضمون پڑھا تو خالصۃً سبائی ذہنیت کا آئینہ دار تھا۔ فقیر کو چکوالی صاحب کے متعلق یہ شبہ تھا کہ وہ دل میں سبائیت کے متعلق نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اس کا ٹیسٹ ہونا چاہیئے چنانچہ کاپڑیا صاحب کے مضمون پر ایک مضمون "چند توضیحات" کے عنوان سے لکھ کر لاہور دفتر ماہنامہ حق چار یار کو بھیج دیا مقصد یہ تھا کہ یہ مضمون چکوالی صاحب کی نظر سے ضرور گزرے گا اگر انہوں نے چھاپ دیا تو فقیر کا شبہ غلط ہوگا نہ چھپا تو صحیح ہوگا اور مضمون کے آخر میں بطور مسکہ پالش چکوالی صاحب کی باریک بین عقابی نگاہ والے کچھ تعریفی جملے بھی لکھ دیئے تاکہ کسی طرح یہ مضمون چھپ جائے اور رسالہ کے کُس مُن کُسنی ناظرین کاپڑیا کے سبائی دسیسوں سے آگاہ ہو جائیں لیکن باوجود فقیر کے مسکہ لگانے کے رفضی گزیدگی کی وجہ سے صرف تعریفی جملے نقل کر لئے۔ اس مضمون میں تین روایتوں کا تذکرہ تھا۔(۱) پہلی یہ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں، چونکہ سبائی کہتے ہیں کہ حضور کی پہلی تین بیٹیاں سیدہ خدیجہؓ کے پہلے خاوند سے ہیں سیدہ خدیجہؓ اور حضور علیہ السلام کی صرف چوتھی اکلوتی بیٹی سیدہ فاطمہؓ ہیں جو حضور کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ اس لئے سبائی سیّدہ فاطمہؓ کو سب سے چھوٹی بیٹی قرار دینے پر زور لگاتے ہیں اور بعض کُس مُن کُسنی بھی بے خیالی میں اس گپ کو صحیح مان لیتے ہیں۔(۲) دوسری موضوع روایت یہ تھی کہ میدانِ قیامت میں ایک آواز آئے گی لوگو سر جھکا کر نظریں نیچی کر لو کیونکہ سیدہ فاطمہؓ اب پُل صراط سے گزرنے والی ہیں۔ چنانچہ سیّدہ فاطمہؓ ستر ہزار حوروں کے جلوس میں بجلی کی رفتار سے پُل صراط سے گزر جائیں گی۔

(۳) تیسری روایت یہ تھی کہ حدیث" فاطمة بضعة منّی کی یہ روایت ابتداءً تو حضرت علیؓ کی وجہ سے بیان کی گئی، یہی بعد میں سبائیوں نے اس کو حضرت صدیق اکبرؓ کے غصب باغ فدک اور حضرت عمر فاروقؓ سے منسوب فرضی مظالم کی مذمت کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا اور جہاں بھی موقع ملتا ہے یہ خبیث اس حدیث کی رٹ لگا کر حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے صحابہ کو ڈنگ مار جاتے ہیں۔ اور چکوالی صاحب کا اندرونی مذاق یہ ہے کہ سبائیت کو بہر صورت تحفظ دیا جائے۔ لیکن چکوالی صاحب کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہونے کی جب دو ٹوک پختہ روایت نہ ملی تو موصوف نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کرنے شروع کر دیئے، لیکن

حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے دس گنا مزید فضائل بھی صحیح روایات سے ثابت ہوں تو ہر شخص کی سر آنکھوں پر۔ لیکن چکوالی صاحب نے آخری بیٹی ہونے کے متعلق جتنی روایات بیان کی ہیں سب میں تشتت ہے۔ البتہ ابن کثیر کی ایک روایت کو نقل کر لیا اور فقیر کو یوں للکارا کہ "قاضی موصوف عموماً ابن کثیر کی عبارتیں استدلال میں پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ ابن کثیر کی یہ روایت کیوں قابلِ قبول نہیں ص۳۰۷"

جواب

فقیر نے یہ روایت اس لئے قبول نہیں کی کہ اس کے بعد اس صفحہ ص۳۰۷ ج ۵ پر ہی خود ابنِ کثیر نے تین روایتیں اور لکھی ہیں جن میں صاف تصریح موجود ہے کہ سیدہ ام کلثوم ہی حضور علیہ السلام کی آخری اور سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ پہلی روایت سعید بن عبدالعزیز کی ہے دوسری روایت اسی صفحہ پر مصعب بن عبداللہ کی ہے اس میں گو سیدہ فاطمہؓ کو پہلی صاحبزادی لکھا ہے لیکن چوتھی اور آخری صاحبزادی یہاں بھی ام کلثوم کو ہی لکھا ہے۔ تیسری روایت لبیعہ (ل۔ ہ۔ ی۔ ع۔ ہ) کی ہے اس میں بھی آخری صاحبزادی ام کلثوم کو ہی لکھا ہے۔ اب فقیر بھی کہتا ہے "چکوالی صاحب کو ابن کثیر کی یہ تین روایتیں کیوں قابلِ قبول نہیں"۔

چونکہ ابن کثیر نے متعدد متشتت روایات لکھ دی ہیں اور خود چکوالی صاحب کی روایات میں بھی تشتت موجود ہے۔ چنانچہ ص۵۶ سطر اول پر چکوالی صاحب لکھتے ہیں "اور ایک قول سے ام کلثوم رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی تھیں۔ مدارج النبوت جلد دوم ص۵۵۷" پھر اسی ص۵۷ کی سطر ۱۶ پر لکھتے ہیں "تو بعض اقوال حضرت رقیہ یا حضرت ام کلثوم کی چھوٹی صاحبزادی ہونے کے بارے میں بھی ہیں الخ" تو ان روایات سے بھی تشتت ہی ثابت ہوا۔ اور دو ٹوک بات صرف امام ابن حزم نے "جمہرۃ انساب العرب" میں لکھی ہے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہی حضور علیہ السلام کی آخری بیٹی ہیں۔ اس لئے فقیر نے اس کو زیادہ صحیح سمجھا دوسرے یہ کہ اس سے سبائیوں کے زعم فاسد کی بھی تردید ہوتی ہے کہ سیدہ فاطمہ ہی آخری اور اکلوتی بیٹی ہیں۔ رضی اللہ عنہا۔

افضلیت حضرت فاطمہؓ

ص۵۹ پر اس لفظی عنوان سے جناب چکوالی صاحب نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اپنی دوسری بہنوں پر افضلیت ثابت کرنے کے لئے خاصی طول نویسی کی ہے اور اگر کسی صحیح اور واضح روایت سے حضرت سیدہ کی افضلیت ثابت ہو تو ہر شخص کے سر آنکھوں پر لیکن موصوف کوئی ایسی روایت پیش نہیں کر سکے جس میں حضور علیہ السلام نے

صراحۃً فرمایا ہو کہ "فَاطِمَۃُ اَفۡضَلُ بَنَاتِیۡ" کہ فاطمہ میری بیٹیوں میں سب سے افضل بیٹی ہیں جب کہ فقیر کے پاس یہ روایت موجود ہے کہ "زَیۡنَبُ اَفۡضَلُ بَنَاتِیۡ" اک ۲۳۱ ج ۳ - یعنی زینب رض میری بیٹیوں میں سے سب سے افضل بیٹی ہے کہ اس کو میری وجہ سے مصیبتیں پہنچی ہیں اور ان مصیبتوں کی وجہ سے ہی صحابہ کرام حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو شہیدہ فی سبیل اللہ سمجھتے ہیں تھے اور صاحب مشکوٰۃ نے الاکمال فی اسماء الرجال ذکر امامہ رض میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام ان سیدہ امامہ رض بنت سیدہ زینب رض وابو العاص رض عبشمی کو جماعت کی فرض نماز میں اٹھائے رکھتے تھے جب سجدہ میں جاتے تو اس امامہ کو زمین پر بٹھا دیتے پھر اٹھا لیتے سبحان اللہ! کیا شان تھی سیدہ امامہ بنت سیدہ زینب کی اور یہ ایک بے مثال سلوک تھا جو کسی دوسری نواسی سے نہ تھا۔

ایک علمی افادہ

سبائیوں کو یہ کب گوارہ ہو سکتا ہے کہ سیدہ زینب کو حضور علیہ السلام اپنی سب سے افضل بیٹی فرمائیں اور صحابہ ان کو شہیدہ فی سبیل اللہ سمجھیں تو اس روایت کے توڑ کے لئے سبائیوں نے بھی ہو بہو ایک ایسی ہی روایت گھڑ دکھائی کہ حضرت صدیق اکبر کی بیعت کے موقع پر حضرت عمر رض نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا دروازہ اکھاڑ کر سیدہ فاطمہ کو دے مارا جس سے سیدہ فاطمہ کی ایک پسلی بھی ٹوٹ گئی اور سیدہ فاطمہ کے پیٹ میں جو حمل تھا اس کا بھی اسقاط ہو گیا۔ اس حمل کا اس کی ولادت سے پہلے حضور علیہ السلام نے محسن نام رکھا تھا اس روز سے حضرت عمر رض محسن کش مشہور کیئے گئے اور اس ضرب شدید کی وجہ سے سیدہ فاطمہ رض بیمار رہ کر شہید فی سبیل اللہ ہو گئیں۔ بحوالہ احتجاج طبرسی ص ۱۲۴ ج اول، حق الیقین ملا باقر مجلسی ص ۱۰۲ ۔ بحوالہ کشف الحقائق مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری ملتانی ؒ

مومنین اہل سنت والجماعت کیلئے ایک عظیم علمی تحفہ

نمازِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں

- مسائل قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ رض سے مدلل۔
- پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی نماز کی واضح تصویر
- مستند ماخذ، علمی سرمایہ، عام فہم اندازِ بیان"

دلکش ترتیب۔

- اردو خواں حضرات کیلئے مدنی تحفہ جس کی افادیت مسلمہ ہے۔
- امام ابوحنیفہ رح کی علمی عظمت، فلسفیانہ اندازِ استدلال اور سنت سے والہانہ وابستگی کی ایک جھلک۔

تالیف: الشیخ محمد الیاس فیصل - مدینہ منورہ

تقدیم: الشیخ محمد شفیق اسعد

ہر اچھے بک سٹال سے یا براہ راست ہم سے طلب کریں

سُنّی پبلی کیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۷۶۶ لاہور

قیمت ۵۱/۰۰ روپے

مولانا محبوب الٰہی

خانقاہ سراجیہ اور سید الاحرار رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف ضلع میانوالی۔ برصغیر پاک و ہند کے عظیم روحانی و علمی مراکز میں سے ایک ہے۔ اس خانقاہ کی بنیاد ۱۹۲۰ء میں امام العلماء والصوفیاء حضرت مولانا ابو اسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کی رحلت کے بعد آپ کے نامزد جانشین امام نقشبندیہ، حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) نے مسند ارشاد کو زینت بخشی۔ پھر حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال (۱۹۵۶) کے بعد برکۃ العصر حضرت الشیخ مولانا خواجہ خان محمد فیوضہم سجادہ نشین ہوئے۔

خانقاہ کے بزرگان کو شروع دن سے مجلس احرارِ اسلام کے اراکین و معاونین، اس کے اکابر اور خصوصاً سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے شفقت و محبت اور ہمدردی و تعاون پر مبنی خاص تعلق رہا ہے۔ الحمد للہ یہ تعلق آج بھی قائم و دائم ہے۔

خانقاہ کی مطبوعہ تاریخ "تحفہ سعدیہ" میں حضرت امیر شریعت اور احرار کے حوالہ سے کئی تاریخی باتیں محفوظ کردی گئی ہیں۔ ذیل میں ایسی تمام روایات کو مرتب انداز میں پیش کیا جارہا ہے (ادارہ)

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کی خانقاہ سراجیہ میں تشریف آوری: حضرت انور شاہ صاحب کشمیری مولانا حسین علی صاحب کی دعوت پر میانوالی تشریف لائے۔ تشریف آوری کا مقصد بعض فروعی مسائل شرعیہ پر تصفیہ و تحقیق تھا۔ اس اجتماع میں مولانا بدرِ عالم، مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، مولانا مرتضیٰ حسن، سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہم اللہ اور دیگر اکابر علماء شریک تھے۔ حضرت مولانا احمد خان صاحب کی ملاقات کے لیے میانوالی تشریف لے گئے اور خانقاہ سراجیہ آنے کی دعوت دی جسے حضرت انور شاہ صاحب نے قبول فرمالیا۔ علامہ کشمیری کی موجودگی میں مولانا حسین علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت احمد خان صاحب میرے پیر بھائی اور ہم مسلک ہیں مگر بدعات کی تردید میں شدت اختیار نہیں کرتے حالانکہ قرآن عزیز میں وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کی نص قطعی موجود ہے۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ یہ آیہ مبارکہ جہاد سے متعلق ہے اور اس کا مصداق کفار ہیں جن پر شدت کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر دین کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا کا ارشاد ہے۔ علامہ کشمیری نے اعلیٰ حضرت کی رائے مبارک سے اتفاق فرمایا۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے لیے دعا: حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری راولپنڈی جیل میں اسیر تھے وہاں مولانا ظہور احمد صاحب بگوی بھیروی نے ان سے ملاقات کی۔ شاہ جی نے مولانا کے ہاتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ زندہ ہوں

اور میں جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند رہوں، یہ بات مناسب نظر نہیں آتی۔ مقصود رہائی کے لیے دُعا کی درخواست تھی حضرت سجادہ نشین نے فرمایا کہ میں ان ایام میں بھیرہ میں درسیاتِ عربیہ کا طالب علم تھا۔ مولانا موصوف نے یہ پیغام مجھے پہنچایا۔ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ جی کا پیغام دیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا اگر علالتِ طبعی حائل نہ ہوتی تو میں شاہ جی کو ایک دن بھی جیل میں نہ رہنے دیتا۔ اس کے بعد لدھارام والے مشہور کیس کی سماعت شروع ہوئی یہ اعلیٰ حضرت کی توجہ اور دُعا کی تاثیر تھی کہ شاہ صاحب نے اس اسیری اور بھیانک سازشوں پر مبنی مقدمے سے نجات پائی۔

اصل فتنہ کی نشاندہی: جن ایام میں مسجد شہید گنج کی تحریک زوروں پر تھی اور اہلِ اسلام میں ہر فرد ولولہ و جوش کا مرقع تھا، حضرت اعلیٰ نے مجلسِ احرار کو ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں لکھا کہ مسجد شہید گنج اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے چلی جارہی ہے تو اس کا غم نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مساجد پھر بھی تعمیر کی جاسکیں گی۔ ان کی حیثیت بہرحال میں ثانوی ہے۔ اسلام کے تحفظ و بقا کو اولیں اہمیت حاصل ہے اور اصل فتنہ موجودہ دَور میں مرزائیت کا ہے جو وجودِ اسلام کو مٹانا چاہتا ہے، اس کے خلاف جہاد جاری رکھنا چاہیے۔ اگر اسلام محفوظ رہا تو مساجد کی کمی نہ رہے گی۔ لہٰذا بقائے اسلام کی خاطر اپنی تمام کوشش و ہمت کو مبذول کرنا چاہیے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ، حضرت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور دیگر اکابر احرار فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عبدالقادر رائے پوری اور حضرت اعلیٰ مولانا احمد خان صاحب وہ مبارک ہستیاں ہیں جنھوں نے مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں ہمیں صحیح مشورے دیے اور ہمیشہ ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔

تحفظِ ختمِ نبوت سے والہانہ لگاؤ: حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ ؒ اسلام اور داعیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و ناموس کو عقیدۂ ختمِ نبوت کی اساس سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ اس عقیدہ کو ایمان کا موقوف علیہ تصور فرماتے ہوئے اس کے تحفظ کے سلسلہ کو حرزِ جان کی طرح اولین اہمیت دیتے تھے۔ ختمِ نبوت کے منکروں، اس عقیدہ میں من گھڑت تاویلات کرنے والوں اور جعلی نبوت کے قائلین کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن گردانتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں جب تحریکِ ختمِ نبوت اُبھری، تو آپ نے اس کی پوری طرح پشت پناہی فرمائی۔ عقیدۂ حق کا اعلان کرنے والوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں اور ان پر گولیاں برسنے لگیں۔ جہاں جہاں آپ کے متوسلین تھے، انھوں نے اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ خود آپ نے مرکز میں رہ کر اس تحریک کی قیادت فرمائی۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت خان محمد صاحب قبلہ کو برملا اعلانِ حق کرنے اور میانوالی اجلاس منعقد کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت قبلہ تعمیلِ ارشاد کے پیشِ نظر قید و بند کی صعوبتوں سے بے نیاز میانوالی

تشریف لے گئے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ پہلے میانوالی جیل میں رہے۔ پھر بورسٹل جیل لاہور منتقل کر دیے گئے۔ بعد ازاں اس تحریک کو دبانے کے لیے اس دور کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے حدود لاہور میں جو تحریک کا سب سے بڑا عملی مرکز تھا، مارشل لاء نافذ کر دیا۔ مولینا غلام غوث ہزاروی علیہ الرحمۃ کے متعلق حکم دے دیا گیا کہ جہاں ملیں انھیں گولی مار دی جائے۔ مولنا ہزاروی حضرت اقدس کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ آپ کو ان کی حفاظتِ جان کی فکر ہوئی۔ انھیں لاہور سے خانقاہ شریف خاص حکمتِ عملی سے لایا گیا۔ پھر کسی محفوظ و مخفی مقام پر حالات درست ہونے تک رکھا گیا۔ پھر جب لاہور میں اس تحریک کے سلسلہ میں تحقیقاتی کمیشن بیٹھا تو منکرینِ ختم نبوت کے خارج از اسلام ہونے اور عقیدۂ ختم نبوت کو اسلام کا بنیادی عقیدہ ثابت کرنے کے لیے علمائے اسلام کا بورڈ حکیم عبد المجید صاحب سیفی کے مکان بیڈن روڈ پر بیٹھا۔ متعلقہ کتب فراہم کی گئیں۔ تحریکِ مرزائیت لعن اللہ بانیہا سے متعلق تمام لٹریچر جمع کیا گیا۔ علمائے کرام ختم نبوت کے عظیم الشان مسئلہ کے اثبات میں کتابوں سے حوالے تلاش کر کے فراہم کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مودودی جماعت کے افراد بھی حکیم عبد الرحیم اشرف لائلپوری کی سرکردگی میں اس مرکزِ تحقیق سے اپنے لیے کارآمد مواد حاصل کر کے لے جایا کرتے تھے۔

<u>حضرت قبلہ کی اسیری</u> : ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختم نبوت نے زور پکڑا تو امتِ مسلمہ کے ہر فرد و بشر نے جذب و مستی سے سرشار ہو کر اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جاں نثارانِ حضرت ختمی مرتبت، فدایانِ ناموسِ رسالت، عاشقانِ رحمۃ للعالمین علمبردارانِ پیغامِ آخریں دریائے خوں سے گزر کر تاریخِ امت میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہے تھے اور اپنی جاں سپاری سے روایاتِ عشق و محبت کو دوام بخش رہے تھے ۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اس سلسلے میں علمائے کرام کی گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ حضرت قبلہ خان محمد صاحب جیسا کہ اجمالاً مذکور ہو چکا ہے حضرت ثانیؒ کے ارشاد سے میانوالی تشریف لے گئے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا ۔

اے عاشقانِ ختمِ نبوت بشارتے
زنداں دہد بہ صدقِ شما ہم شہادتے

چنانچہ آپ ۵ اپریل ۱۹۵۳ء کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہونے کے بعد میانوالی جیل بھیج دیے گئے اور ۲۵ اپریل ۵۳ء کو میانوالی سے سنٹرل جیل لاہور منتقل کر دیے گئے۔ ۲۸ اپریل ۱۹۵۳ء کو بورسٹل جیل جانا پڑا۔ جہاں سے پھر ارباب

بست وکشاد نے ۱۱ اگست کو سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ جب سنٹرل جیل کی کال کوٹھڑیوں میں آپ اسیری کے ایام بسر کر رہے تھے، آپ سے متصل احاطہ میں درج ذیل حضرات اسیر تھے:۔

۱۔ امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ مولانا ابوالحسنات کے صاحبزادے مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ

۵۔ مولانا عبدالحامد بدایونی صاحب

۶۔ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب

۷۔ مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی

۸۔ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

۹۔ جناب تقی علی نقی صاحب وغیرہم

اس دور کا ایک دلچسپ واقعہ خود حضرت قبلہ نے بیان فرمایا کہ ایام اسیری میں عیدالاضحیٰ آگئی اور ہم سب حضرت شاہ جیؒ کی زیارت کے لیے ان کے احاطہ میں چلے گئے۔ اسی اثناء میں مودودی صاحب، نصراللہ خان عزیز اور تقی علی نقی صاحب بھی حضرت شاہ جیؒ سے ملنے کے لیے آگئے۔ آپ انہیں باوقار انداز سے ملے اور خیر وعافیت پوچھی۔ مودودی صاحب کو پنڈلی پر پھوڑے اور پھنسیاں نکلی ہوئی تھیں۔ شاہ جیؒ نے دیکھا تو از خود علاج تجویز فرمایا کہ فینائل پانی میں گھول کر لگائیں ان شاء اللہ آرام آجائے گا۔ چند لمحوں بعد مودودی صاحب اپنے ہمراہیوں سمیت اٹھ کھڑے ہوئے اور رخصت چاہی شاہ جیؒ اور آپ کے عقیدت مند بھی ان حضرات کی مشایعت کے لیے چل پڑے۔ شاہ جیؒ نے مودودی صاحب سے چلتے ہوئے دریافت کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ مودودی صاحب نے جواب دیا کہ میں احاطہ بم کیس جا رہا ہوں۔ وہاں دوستوں نے نماز عید کا اہتمام کیا ہوا ہے۔ اس پر شاہ جیؒ نے پوچھا کیا جیل میں نماز عید جائز ہے؟ مودودی صاحب نے جواب دیا کہ اگر کوئی پڑھ لے تو ہو جاتی ہے، نہ پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ یہ تو کوئی فتویٰ نہ ہوا۔ اس کے بعد مودودی صاحب نے کہا کہ میں یہاں جیل میں جمعہ نہیں پڑھتا۔ شاہ جیؒ نے جواب دیا کہ جمعہ تو میں بھی نہیں پڑھتا۔ مگر میرا نہ پڑھنا حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تقلید کے باعث ہے اور آپ میں رگ دوسری ہے۔ شاہ جیؒ کے اس تبصرے پر مودودی صاحب بھنا گئے اور آگے چل دیے۔

سید رئیس احمد جعفری مرحوم

انتخاب: محمد عمر فاروق

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری - کچھ یادیں

مرحوم سید رئیس احمد جعفری---مرحوم ہندوستان کے لیگی نہاد لکھاریوں میں امام الائمہ کے درجہ پر فائز تھے - عالم دین، مصنف، مترجم، صحافی، اردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں طاق -- لیکن افسوس تعصبات کے مسموم ماحول میں یوں کھو کر رہ گئے کہ قوم کو کوئی فکری سرمایہ منتقل نہ کر سکے۔ ان کا سرمایہ افتخار محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کی "امامت معصومہ" کا منادومفسر ہونا تھا اور بس! اس اعتبار سے دیکھا جائے تو زیر نظر مضمون کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے - تاریخ کا تجزیہ کرنے والے اور تاریخ کی تذلیل کرنے والے -- دونوں کو اس مضمون کے بین السطور جھانکنے کی دعوت عام ہے! (ادارہ)

معجزہ اہل فکر فلسفہ ہیچ ہیچ!
معجزہ اہل ذکر موسٰی و فرعون و طور

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے - ہا!

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی!

لیکن یہ آب بقائے دوام کس کو ملا جو بخاری کو مل جاتا؟ جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا؟

مولانا بخاری بہت بڑے عالم نہیں تھے نہ مفسر نہ محدث، نہ فقیہ، نہ متکلم لیکن وہ بڑے انسان ضرور تھے، ان میں قلندرانہ صفات تھیں۔ درویشانہ ادائیں اور فقیرانہ جلال!

مولانا سیاست کے میدان میں ایک سیاست دان کی طرح نہیں آئے تھے نہ انہیں ہندوستان کے آئندہ دستور سے دلچسپی تھی، نہ تحفظ حقوق مسلمین کے لیے وہ کانگریس سے لڑنے پر آمادہ تھے، نہ ہندو مسلم کشمکش سے انہیں کچھ زیادہ سروکار تھا- وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ہر قیمت پر انگریز اس ملک سے نکل جائیں انگریزوں سے انگریزی سامراج سے، انگریزوں کی ہر چیز سے انہیں نفرت تھی- وہ کانگریس کی مسلم آزاری کو بھی اس لیے برداشت کرتے اور اس سے آمادہ تعاون ہو جاتے تھے کہ ان کے نزدیک وہ انگریزوں کو نکالنے کی جدوجہد کر رہی تھی، ان کا خیال تھا جب تک انگریز اس دیس سے نہیں نکالے جاتے اس وقت تک نہ عالم اسلام آزاد ہو سکتا ہے، نہ یہ ملک- یہی وجہ ہے وہ ہمیشہ غیر مشروط طور پر ہر مخالف برطانیہ تحریک میں پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ شریک ہوئے - علی برادران جب تک کانگریس کے ساتھ تھے مولانا ان کے نیازمند رفیق اور ہم قدم بنے رہے جب معلوم و معروف وجوہ سے انہوں نے کانگریس سے کنارہ کشی کی تو مولانا ان سے الگ ہو گئے، لیکن اس علیحدگی کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ محمد علی اور شوکت علی کے خلوص، حب وطن اور جذبہ ملی کے قائل نہ تھے، ضرور قائل تھے لیکن انہوں نے اپنے لیے جو راہ متعین کی تھی وہ دوسری تھی اور وہ اپنا سوچا سمجھا راستہ بدلنے کو تیار نہیں تھے۔

گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء میں جب اپنی ولولہ انگیز، حریت آفریں اور روح پرور گر...

مولانا محمد علی اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو دلی کی جامع مسجد میں ایک مرتبہ نماز جمعہ کے بعد مولانا نے رورو کر تقریر کی۔ آنسوان کی آنکھوں سے جاری تھے۔ آواز بھرائی ہوئی تھی گریہ گلوگیر ہو رہا تھا اور وہ تقریر کر رہے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے اس تقریر میں مولانا نے بڑے درد اور سوز کے ساتھ فرمایا تھا "محمد علی کا سا سپوت صدیوں میں کوئی ماں جنتی ہے" یہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور میں دعوٰی کر سکتا ہوں کہ مولانا کے بالکل یہی الفاظ تھے۔

مولانا کے یہ الفاظ ان کے خلوص اور سچائی کا آئینہ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وفات سے کچھ عرصہ پہلے مولانا محمد علی کے تعلقات مولانا بخاری سے اور نہ صرف مولانا بخاری سے، بلکہ جمیعت علمائے ہند کے تمام اکابر سے کیونکہ سب کا مسلک یہی تھا۔ انتہائی تلخ اور کشیدہ ہو چکے تھے، تقریروں اور تحریروں میں نہایت سختی اور شدت کے ساتھ ایک دوسرے کے افکار و نظریات کا احتساب کیا جاتا تھا اور اس سختی اور شدت میں تلخی اور بدمزگی نمایاں طور پر جھلکتی تھی، مولانا محمد علی بھی کچھ کم نہ تھے، جس سے مخالفت ہو جاتی اس کی تحلیل اور تجزیہ میں وہ کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے چنانچہ انہوں نے "بخاری اور مسلم" موضوع پر جو کچھ کہا اور لکھا وہ تاریخِ سیاستِ ہند کا نہایت دلچسپ باب ہے۔ لیکن اس شدید تلخی اور سخت اختلاف کے باوجود محمد علی مولانا بخاری کے خصائص امتیازات اور صفات کے قائل تھے اور اعتراف میں ذرا بھی بخل روا نہ رکھتے تھے مولانا بخاری ایک شعلہ بیاں اور آتش فشاں اور سرطراز واعظ بھی تھے وہ تقریر شروع کرتے تو بڑے سے بڑا مجمع خواہ مخالفوں کا کیوں نہ ہو دم بخود ہو جاتا، ان کی تقریر میں وہ روانی، وہ شگفتگی وہ حلاوت اور وہ تاثیر تھی کہ جو لوگ مخالفت کا ارادہ کر کے جاتے وہ اس وقت چونکتے جب تقریر ختم ہو چکتی، اور یہ تقریر مختصر نہ ہوتی۔ اگر اسے تقریر شبینہ کے نام سے یاد کیا جائے۔ تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا، وہ عشاء کے بعد تقریر شروع کرتے اور فجر کے وقت ختم کرتے، آندھی آئے، پانی برسے، قیامت تک کیوں نہ گزر جائے لیکن مولانا کے سامعین اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرتے ،، کسی کی آنکھ میں جادو تیرے بیان میں ہے ،، اور واقعہ یہ ہے کہ انکی جادو بیانی ایک مسلمہ حقیقت تھی۔

لاہور کے ایک متعصب اور گندہ ذہن آریہ سماجی راجپال نے ایک انتہائی اشتعال انگیز کتاب ،، رنگیلا رسول ،، (نعوذ باللہ) لکھی اس کتاب نے سارے پنجاب میں تہلکہ مچا دیا۔ خاص طور پر لاہور تو میدانِ قیامت بن گیا۔ مزید ستم یہ ہوا کہ مقدمہ عدالت عالیہ میں گیا اور جسٹس دلیپ سنگھ نے راجپال کو بری کر دیا۔ اس فیصلہ نے اور زیادہ قیامت برپا کر دی ،، زمیندار ،، اور بعض دوسرے اخبارات نے، دلیپ سنگھ مستعفی ہو جاؤ، عنوان سے کئی مقالات لکھے نتیجہ یہ ہوا کہ ملت کے دو نام میں یہ لوگ ماخوذ اور سزا یاب ہوئے۔

مولانا محمد علی نے ہمدرد میں ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا جسکا عنوان تھا، قصور قاضی کا نہیں تھا قانون کا ہے، انہوں نے لکھا تھا تعزیراتِ ہند میں ایسی کوئی مؤثر دفعہ موجود نہیں ہے جسکی رو سے راجپال جیسے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے، دلیپ سنگھ نے اگر سزا دے بھی دی ہوتی تو کوئی اور جج اسے رہا کر دیتا، لہٰذا کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تعزیراتِ ہند میں ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے جسکی رُو سے بزرگانِ دین کی توہین کرنے والے کو مستوجب سزا قرار دیا جائے۔

محمد علی کے اس مضمون نے اور زیادہ آگ لگا دی ان پر الزام لگایا گیا کہ چونکہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں دلیپ سنگھ ان کے ہم درس رہے ہیں لہٰذا وہ ان کا ساتھ دے رہے ہیں، یہ بات بالکل غلط تھی محمد علی ان لوگوں میں تھے کہ خود بقول ان کے.. اگر شوکت بھی حق کے خلاف قدم اُٹھائیں تو میں پستول میں دو گولیاں بھروں گا، ایک سے شوکت کا کام تمام [illegible] کا دوسری اپنے مار لوں گا، کیونکہ ان کے بعد زندہ رہنا میرے لیے بیکار ہے ،، بھلا ایسا شخص اتنے بڑے اور اہم معاملہ میں انتہائی مذہبی، بلکہ مذہبی مجنوں ہونے کے باوجود کس طرح دلیپ سنگھ کا ساتھ دے سکتا تھا؟ بات وہی ٹھیک تھی جو انہوں نے لکھی تھی چنانچہ بعد میں تعزیراتِ ہند میں ایک ایسی دفعہ کا اضافہ بھی کیا گیا۔ غرض سارا لاہور محمد علی کے خلاف ہو رہا تھا اسی حالت میں وہ لاہور گئے اور ایک جلسہ عام میں تقریر کی اور اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ محمد علی کا یہ مستقل عقیدہ تھا کہ

قائد کورائے عامہ کے بہاؤ میں نہیں بہنا چاہیے، بلکہ اسکی تشکیل کرنی چاہیے، اور اپنی ہر دلعزیزی کی بھینٹ دے کروہ اسی پر عمل پیرا بھی ہوتے تھے اور بالاخر کامیاب بھی ہوتے تھے۔

اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، جو لوگ محمد علی کو قتل کرنے آئے تھے وہ محمد علی زندہ باد کے نعرے لگاتے واپس گئے۔

اس جلسہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک بڑی اثر انگیز اور معرکہ آرا تقریر کی (جادہ بیانی اور سحر طرازی کی پوری شان کے ساتھ) مولانا محمد علی نے انہیں گلے لگالیا، اور کہا" تمہاری یہ سحر بیانی اللہ کی دین ہے لیکن یہ یاد رکھو، یہ دو دھاری تلوار ہے جس طرح یہ حق کے لیے چل سکتی ہے اسی طرح باطل کے لیے بھی چل سکتی ہے اور ہزاروں لوگ جو تم سے متاثر ہوں گے، تمہارا ساتھ دینگے ان کی ذمہ داری صرف تم پر ہو گی خبردار اس جوہر کا غلط استعمال کبھی نہ کرنا"۔

مولانا اپنے راستہ پر چلتے رہے، پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ان کے قدم آگے کی طرف بڑھتے رہے۔ انہیں نہ محمد علی سے غرض تھی، نہ مجلس خلافت سے، نہ وہ قائداعظم سے واسطہ رکھتے تھے نہ مسلم لیگ اور اسکے اغراض ومقاصد اور منزل مقصود سے وہ جب ضرورت دیکھتے ان سب سے الجھ بھی پڑتے۔ وہ اپنی دھن میں مست تھے وہ انگریزوں کے اخراج سے پہلے کچھ سوچنا نہیں چاہتے تھے۔

لیکن جب انگریز اس دیس سے نکلے تو مولانا کو بھی اپنے وطن سے نکلنا پڑا، وہ اپنے وطن میں نہ رہ سکے، جہاں کی فضائیں ان کی شعلہ مقالی سے لرزتی رہتی تھیں، جہاں کے در و دیوار ان کی آتش نوائی سے گونجا کرتے تھے، جہاں کے بام و ایوان ان کے زور سخن سے کانپا کرتے، جہاں انہوں نے دکھ جھیلے تھے، تکلیفیں اٹھائی تھیں، اذیتیں برداشت کی تھیں، سجن وزنداں کو لبیک کہا تھا اور دار و رسن کے لیے آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ وہی سرزمین، وہی فضائیں، وہی در و دیوار، اور وہی بام وایوان ان سے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے اب یہ تمہارا وطن نہیں ہے، اب یہ تمہاری سرزمین نہیں ہے، اب تم یہاں اجنبی ہو، اب تم یہاں بدیسی ہو، چلے جاؤ، نکل جاؤ، بھاگ جاؤ، ورنہ تمہارے جسم و جان کا رشتہ منقطع کردیا جائیگا۔

مولانا کے پاس کیا تھا؟ - قلندر جزدو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا - لکڑی ہاتھ میں لی، پوٹلی بغل میں دابی، اور بے وطن ہو کر لاہور آگئے، پھر ملتان چلے گئے اور اب وہاں کے سفر پر روانہ ہوئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

مولانا بہرحال ہمارے تھے، اختلاف فکر و نظر کے باوجود ہمارے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال پر ہر مسلمان رویا اور ان رونے والوں میں بہت بڑی اکثریت انکی تھی جو ان سے نظریاتی اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن کتنے تعجب، کتنی حیرت اور کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہندوستان کی لوک سبھا نے رنج وافسوس کا ایک لفظ بھی نہ کہا۔ کیا پنڈت نہرو مولانا کو بھول گئے؟ کیا کانگریس نے مولانا کو فراموش کردیا؟

اسقدر جلد؟ جبکہ انکی حریت ماب اور سامراج شکن تقریروں کی صدائے دل پذیر اب بھی ہندوستان کی ہر گلی اور ہر کوچہ میں گونج رہی ہے؟

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

نظام راج سے رام راج تک
(صفحہ ۲۴۰ تا ۲۴۵)

آپ کے عطیات :

محاسبۂ مرزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز تر کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کو دیجئے

بذریعہ منی آرڈر : سید عطاء المحسن بخاری مدظلہٗ، دار بنی ہاشم مہربان کالونی۔ ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک : اکاؤنٹ نمبر ۲۹۴۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی۔ ملتان

محمد یونس بخاری

مخدومہ سیدہ ام الاحرار (۱) رحمۃ اللہ علیہا کے سانحۂ وفات پر ارتجالاً

وہ ایک سایہ

وہ ایک سایہ سسکتی رت میں جو اک مہکتا گلاب بھی تھا
مرے قبیلے کے شجر رحمت کی ٹہنیوں کا حساب بھی تھا
وہ میرے زخموں کا سبز مرہم، پئے کرم لاجواب بھی تھا
وہ تپتے صحرائے زندگانی میں برکتوں کا سحاب بھی تھا
محبتوں، رحمتوں، رفعتوں، شفقتوں کا گھنیرا سایہ
وہ میرے کنبے کی عظمتوں کا امین صادق
گئی رتوں کی مسافتوں کا نشانِ خوشتر!!
وہ عظمتوں کا نقیب بھی تھا حلیف بھی تھا رفیق بھی تھا
مرے نصیبے کی کج روی سے وہ سایہ مجھ سے بچھڑ گیا ہے
مرا دیار نگاہ و دل یوں اجڑ گیا ہے
کہ اسکی فرقت میں دیدہ و دل لہو لہو ہیں
میں اس کو ڈھونڈوں، اسی کو چاہوں!
اسکا ہر دم خیال رکھوں کہ جس سے محروم ہو گیا ہوں
مگر میں نازاں ہوں اس شجر پر کہ جس کا سایہ
مسافتوں میں، تھکاوٹوں میں مشقتوں اور کلفتوں میں بھی
ولولوں، حوصلوں، اور جراتوں کی حسین خیرات بانٹتا تھا
وہ عدم آباد کا مسافر جو اپنے مالک کے حکم حق سے
عظیم منزل کو پا چکا ہے۔
وہ شفقتوں کا، وہ رحمتوں کا عظیم و برتر گھنیرا سایہ
میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں لوگو!
وہ پر سکوں ہے، وہ مطمئن ہے سبھوں سے بڑھ کر
کہ جس سکوں کو یہ ساری دنیا ہمیشہ ترسے مگر نہ پائے
وہ ساری محتاجیوں سے آزاد مر کے زندہ!
ہمیشہ زندہ ہے بس امر ہے
وہ ایک سایہ عظیم سایہ وہ برکتوں کا گھنیرا سایہ
عظیم خلد آشیانی ماں کا عظیم سایہ
جو برکتوں کا سحاب بھی ہے پئے کرم لاجواب بھی ہے

۱۱جون ۱۹۹۱ء

مرزا عبدالقیوم بیگ
صدر مجلس احرار اسلام خان پور
ضلع رحیم یار خان

جواں مرگ بدر منیر احرار
جو آج ہم میں موجود نہیں

بدر منیر احرار وہاں کوچ کر گئے جہاں سے آج تک کوئی لوٹ کر نہیں آیا۔ روز لوگوں کے جنازے کندھوں پر اٹھتے دیکھتے ہیں۔ ایک روز اپنا بھی جنازہ یونہی اٹھے گا۔ اور ہم سب کو منوں مٹی کے نیچے دب جانا ہے۔ اعمال اچھے تو قبر راحت کدہ جنت اور اسکی مٹی پھولوں کی سیج اعمال برے تو یہی قبر کانٹوں کا بچھونا بن جائیگی۔

جواں مرگ بدر منیر احرار یکم ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۹۱ء بروز جمعہ المبارک لاہور کے نزدیک "مرید کے" میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ دل کا شدید دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔ اور وہ رخت سفر باندھ کر عقبیٰ کو چلے گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ اپنے برادر نسبتی کی شادی میں شرکت کیلئے خانپور سے مرید کے گئے ہوئے تھے۔ بارات روانہ ہونے ہی والی تھی مگر وہ خود سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ جسد خاکی رات ڈیڑھ بجے خان پور پہنچا ۱۵ جون صبح ۸ بجے مرکزی عید گاہ میں حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ کے فرزند حاجی مطیع الرحمن درخواستی کی امامت میں ہزاروں افراد نے نماز جنازہ ادا کی۔ مرحوم کو سپرد خاک کرنے سے قبل ابن امیر شریعت سید عطا المحسین بخاری مدظلہ ملتان سے تشریف لے آئے۔ شاہ جی بدر منیر کی میت دیکھ کر غم و یاس کا پیکر بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے دعاؤں کے ہدیہ کے ساتھ اپنے مخلص ساتھی کو سپرد خاک کیا۔

راقم الحروف، مولانا عبدالقادر ڈاہر اور مجلس احرار اسلام خانپور کے تمام کارکن تجہیز و تکفین تک موجود رہے ہر شخص کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ راقم نے آگے بڑھ کر شاہ جی سے مصافحہ کیا تو انہوں نے گلوگیر آواز میں فرمایا۔ مجلس احرار اسلام ایک مخلص کارکن سے محروم ہو گئی ہے۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ ایک شریف النفس۔ ملنسار خوش اخلاق ایثار پیشہ اور سچے مسلمان تھے۔

راقم ۱۹۷۱ء میں عام رکن کی حیثیت سے مجلس احرار اسلام میں شامل ہوا اور بدر منیر مرحوم ۱۹۷۲ء میں جماعت کے رکن بنے۔ مجھے یاد ہے کہ میں اور مولانا عبدالقادر ڈاہر ایک روز بازار سے گزر رہے تھے کہ نوجوان بدر سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے کہا "مجھے بھی احرار کا رکن بنالیں" (یاد رہے کہ بدر منیر احرار۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے معروف کارکن نور احمد باغی مرحوم کے برادر نسبتی کے بڑے بیٹے تھے)

ہم نے کہا کہ آپ پختہ ارادہ کر لیں تو جماعت کے دروازے کھلے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب مجلس احرار اسلام پاکستان ملک بھر میں مذہبی جماعتوں کے عتاب کا شکار تھی۔ جس کے اثرات خانپور میں بھی گہرے تھے اور یہاں احرار کو جلسہ کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ خصوصاً ہم مسلک جماعتیں زیادہ مخالف تھیں۔ مدارس، و مساجد، پر انہی کا قبضہ و تسلط تھا

بدر منیر مرحوم کے جماعت میں شامل ہونے سے کارکنوں کا حوصلہ بڑھا۔ جماعت کا شعبہ نشر و اشاعت ان کے سپرد کر دیا گیا۔ انہوں نے شب و روز محنت کی۔ نشر و اشاعت پر اٹھنے والے اخراجات بھی تقریباً خود ہی برداشت کئے جس

کے نتیجہ میں اکثر مقروض رہتے۔ اخبارات شاہد ہیں کہ انہوں نے جماعتی پالیسیوں کی اشاعت کتنی منظم اور ٹھوس بنیادوں پر کی۔ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں سے بھر پور انصاف کیا۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب خانپور کے صف اول کے قومی کار کنوں میں ان کا شمار ہونے لگا۔

۲۱۔ اگست ۱۹۷۳ء کو خان پور شہر میں تباہ کن سیلاب آیا۔ نواحی علاقوں سے لوگ پناہ حاصل کرنے کیلئے شہر کا رخ کر رہے تھے۔ ہر طرف افراتفری اور بے چینی کا عالم تھا۔ وبائی امراض پھوٹ پڑی تھیں۔ سرکاری اداروں کی کارکردگی انتہائی مایوس کن تھی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت تھی جو صرف زبانی جمع خرچ کرنے میں مصروف تھی۔ پیپلز پارٹی کے تمام وعدے اور عوام کے ساتھ ہمدردیاں دیوانے کا خواب ہو کر رہ گئی تھیں۔ انتہائی پریشان کن حالات میں دیگر سیاسی جماعتوں کی طرح مجلس احرار اسلام نے بھی خان پور ہائی سکول کے گراؤنڈ میں ایک طبی کیمپ لگایا۔ راقم کیمپ انچارج تھا اور وہاں بحیثیت ڈاکٹر فرائض انجام دے رہا تھا۔ مالی لحاظ سے جماعت بھی غریب تھی اور کارکن بھی۔ لیکن ہر کارکن کے دل میں متاثرہ افراد کیلئے ایک تڑپ، ایثار اور پرخلوص جذبہ موجزن تھا۔ بدر منیر احرار ادویات فراہم کرتے تھے۔ ادویات کہاں سے لاتے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم نے ۱۵ اگست کو طبی کیمپ لگایا۔ ہزاروں افراد کو ادویات فراہم کیں۔ کچھ اہم ادویات خان پور شہر میں نایاب ہو گئیں تو بدر منیر احرار فوری طور پر رحیم یار خان گئے اور نہ جانے کہاں سے ادویات لے آئے۔ انہوں نے دکھی انسانوں کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ ہم کارکنوں نے اپنے کاروبار بند کر دیئے اور دن رات پریشان حال قافلوں کی دل جوئی کیلئے وقف کر دیئے۔ ہم نے تڑپتے ہوئے بے کس و مجبور انسان دیکھے۔ لیکن احرار کارکنوں نے اپنے وسائل کے مطابق اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۲۱ اگست ۱۹۷۳ء کو صبح ۱۱ بجے گورنمنٹ ہائی سکول خان پور میں بھی سیلاب کا پانی داخل ہو چکا تھا۔ کارکن اپنے گھر کی دیکھ بھال کیلئے کیمپ سے جا چکے تھے۔ لیکن میرا ثابت قدم ساتھی بدر منیر احرار سیلاب کے پانی میں بھی طبی کیمپ میں موجود تھا۔ ہم اس وقت ہائی سکول کی چار دیواری سے باہر نکلے جب تباہ کن طوفانی سیلابی ریلا شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ مختصر سامان میرے کندھوں پر اور اتنا ہی مختصر سا سامان بدر منیر احرار کے کندھوں پر تھا اور پانی گھٹنوں تک۔ ہم پناہ حاصل کرنے کیلئے ریلوے اسٹیشن کی طرف چل دیئے۔

یہ غالباً ۱۹۷۴ء کے آخری مہینوں یا ۱۹۷۵ء کے شروع کے مہینوں کی بات ہے کہ حافظ محمد اکبر اعوان سابق رکن مجلس احرار اسلام رحیم یار خان اور سابق ڈی سی رحیم یار خان عبدالوحید کے مابین کسی مسئلہ پر ٹھن گئی۔ دونوں میں اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ ڈی سی نے اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے حافظ صاحب پر غنڈہ ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔ ان کی تصاویر تھانوں میں آویزاں کرنے کا حکم جاری کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ضلع بدر بھی کر دیا۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کی مرکزی قیادت اور ضلع رحیم یار خان کے کارکنوں نے حافظ صاحب کا بھرپور ساتھ دیا۔ حافظ صاحب کی عزت و آبرو اور ان کے وقار پر آنچ نہ آنے دی۔ عدالتی فیصلہ حافظ صاحب کے حق میں جاتے ہوئے دیکھ کر ڈی سی نے مذہبی جماعتوں کو استعمال کیا۔ خصوصاً جمعیت علماء اسلام رحیم یار خان نے ڈپٹی کمشنر کا بھرپور ساتھ دیا۔ جمعیت کے مقامی قائدین اور کارکنوں نے حافظ محمد اکبر کو جامع مسجد غلہ منڈی رحیم یار خان سے دھکے دیکر باہر نکال دیا۔ بقول حافظ محمد اکبر جمعیت کے کارکنوں نے پتھر اور اینٹیں برسانے کے بعد الماریوں میں پڑے ہوئے قرآن پاک بھی اٹھا کر برسائے "اللہ معاف کرے۔ مجلس احرار اسلام کے افکار و نظریات کا عوام میں پھیلنا اور رسوخ کا بڑھنا جمعیت علماء اسلام کو نہ پہلے پسند تھا اور نہ اب ہے۔ جمعیت کے قائدین نے منفی و منفی سوچ کو عملی طور پر استعمال کرتے ہوئے ڈی سی رحیم یار خاں سے بطور خاص تعاون کیا۔ لیکن افسوس کہ اپنوں میں! اپنے اور پرائے کی پرکھنے کی حس معدوم ہو چکی ہے۔ "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ وقت اور حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔ سورج طلوع ہوتا ہے اور اسے ڈھلنا بھی ہوتا ہے۔ چاند نکلتا ہے طلوع شمس کے ساتھ ہی نظروں سے اوجھل بھی ہو جاتا ہے۔ تاریخ سے سبق نہ سیکھنے والوں کو تاریخ خود بھی سبق سکھا دیتی ہے۔

انسان کا ضمیر مردہ نہ ہو تو اسے جھنجھوڑتا ضرور ہے۔ لیکن جدید دور میں جذبۂ ایثار و قربانی کی جگہ مال و دولت نے لے رکھی ہے۔ باضمیر انسانوں کا کردار اس کنول کے پھول کی مانند ہوتا ہے۔ جو تالاب کے سوکھنے کے ساتھ خود بھی سوکھ جاتا ہے۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو مرغابی کی مانند ایک تلاب کے سوکھنے کے بعد دوسرے تالاب کا رخ کرتے ہیں۔

بدر منیر احرار جو کہ صحافتی میدان میں قدم جما چکے تھے۔ متذکرہ حالات کو سنجیدگی سے لیا۔ حافظ محمد اکبر کا جماعتی رکن کی حیثیت سے قلمی محاذ پر بھرپور ساتھ دیا۔ اور ان کے حق میں منظم جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ بدر منیر نے ڈپٹی سی رحیم یار خاں کو للکارتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔! ہم امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمت اللہ علیہ کے سپاہی ہیں۔ ہم طوفان بن کر فرنگی سے ٹکرا گئے عقیدہ ختم نبوۃ کا تحفظ، عظمت و ناموس صحابہ کا دفاع احرار کے ایمان کا جزو ہے۔ ہم نے آزادی وطن کے لئے انگریز اور اسکی روحانی اولاد مرزائیوں کے دانت کھٹے کئے۔ تم حافظ محمد اکبر کو اکیلا مت سمجھو۔ شریفوں کی پگڑیاں اچھالنا اور ان کے خلاف لغو، من گھڑت مقدمات قائم کرنا بزدلوں کا کام ہوتا ہے۔ ہوش کے ناخن لو اور بخاری کے سپاہیوں کو مت چھیڑو۔۔۔۔۔" اس پر ڈپٹی سی نے بدر منیر احرار کے خلاف مقدمہ درج کر دیا۔ بدر منیر گرفتار ہوئے۔ راقم اور مولانا عبدالقادر ڈاہر صبح ناشتہ لیکر تھانہ سٹی خان پور گئے۔ ۱۹۷۳ء کے سیلاب کے بعد تھانہ سٹی عارضی طور پر ریلوے کالونی میں منتقل ہو چکا تھا۔ تھانہ کا انچارج راجہ ممتاز احمد تھا۔ انتہائی بددماغ اور گھٹیا ذہن کا آدمی تھا ڈپٹی سی کی پشت پناہی اور حکم کی وجہ سے اس کی گردن بھی تنی ہوئی تھی۔ پہلے تو اس نے ہمیں بدر منیر سے ملنے کی اجازت نہ دی۔ ہم میں بھی احرار کا خون تھا اور اب بھی ہے۔ ایس ایچ او ممتاز احمد سے شدید بحث و مباحثہ ہوا۔ تکرار سے بدمزگی پیدا ہوئی۔ آخر افہام و تفہیم کے بعد ہمیں بدر منیر سے ملنے دیا گیا۔ وہ حوالات میں بند دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنے مسکرا رہا تھا۔ اس نے تمام رات اسی حالت کرب میں گزاری مگر پھر بھی خوش تھا۔ ہم نے ایس ایچ او سے کہا کہ وہ ایک ہاتھ کی ہتھکڑی کھلوا دے تاکہ بدر منیر ناشتہ تو کر لے اس پر ایس ایچ او مزید بپھر گیا۔ غصہ میں کانپتے ہوئے بولا کہ وہ تو اس کے پاؤں میں بھی بیڑیاں ڈالنا چاہتا ہے۔ ایس ایچ او کے انداز گفتگو کو دیکھتے ہوئے بدر منیر کا خون جوش سے کھول اٹھا۔ ایس ایچ او کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ تاریخ میں تم جیسے بے شمار کمینے ہو گذرے ہیں۔ جنہیں کبھی اچھے نام سے یاد نہیں کیا گیا۔ یاد رکھئے اگر تجھے اپنی وردی پر مان ہے۔ تو مجھے اپنے ایمان پر ناز۔ تم میرے پاؤں جکڑ دو میری زبان کاٹ دو لیکن میرے پیغام کو قید نہیں کر سکتے میں امیر شریعت کی جماعت احرار کا ایک ادنٰی خادم ہوں۔ اللہ کا بندہ رسول کا غلام اور ایک غیرت مند مسلمان ہوں تاریخ تجھے ایک ذلیل، کمینے، کم ظرف اور گھٹیا آدمی کے نام سے یاد کرے گی۔ اور میرے نام کی تعظیم کرے گی۔ تین روز بعد بدر منیر احرار ضمانت پر رہا ہو گئے۔ خان پور میں ایک نذیر ہوٹل ہوا کرتا تھا۔ جس کی چھت پر شہریوں نے بدر منیر کے اعزاز میں ایک زبردست استقبالیہ دیا۔ جس کے مہمان خصوصی ابن امیر شریعت پیر جی سید عطاءالمہیمن بخاری مدظلہ تھے۔ شاہ جی کے مفکرانہ خطاب سے سامعین بہت محظوظ ہوئے اور بدر منیر کی استقامت اور جرأت پر اسے زبردست خراج تحسین پیش کیا، ایثار و قربانی کے یہ مناظر جب بھی ذہن میں ابھرتے ہیں۔ تو بدر منیر کی وفا بہت تڑپاتی ہے۔

بدر منیر احرار خاندان امیر شریعت سے گہری عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان کی ہمیشہ انتہائی کوشش ہوتی کہ شاہ جی کے فرزندوں میں سے جب بھی کوئی خان پور آئے میزبانی کا شرف صرف انہیں حاصل ہو۔

فرزندان امیر شریعت کو بھی بدر مرحوم سے بڑی محبت تھی اور وہ ہمیشہ اسی غریب مگر مخلص کارکن کے مہمان بنتے۔ شاہ صاحبان کی آمد پر وہ اکثر معزز شہریوں اور پریس رپورٹروں کو اپنے گھر مدعو کرتے۔ اگر کوئی جماعتی پروگرام طے نہ پاتا تو وہ ذاتی طور پر گھر پر ہی پروگرام مرتب کر لیتے۔ جماعت کے منشور و دستور اور قائدین احرار کے کارناموں پر ان کی گہری نظر تھی۔

(بقیہ ــــ صفحہ ۶۲ پر)

عبدالودود شعیب ملتان

نفاذ شریعت چند سوالات

۴۴ برس اس ملک کی تشکیل کو ہو چکے ہیں۔ اور اس تمام عرصے میں ہر حکمران نے اسلام کے نفاذ کیلئے کوشاں رہنے کا ڈھنڈورا پیٹا ہے۔ اب پھر سنتے ہیں کہ "صحیح معنوں میں" نفاذ شریعت کیلئے کچھ مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ ادھر "اسلام بذریعہ پارلیمنٹ" کے نظریہ کے "بنیاد پرست" مخالفین صاف کہے چلے جا رہے ہیں۔ کہ شریعت کا نفاذ انگریز کے دئیے ہوئے نظام حکومت کے ذریعے سے ممکن ہی نہیں ہے۔ ہم چونکہ رعایا کو سرکار کی نیت میں کھوٹ اور عمل میں کوتاہی ڈھونڈ نکالنے کی اجازت نہ دینے کے "جمہوری فیصلہ" کا احترام کرتے ہیں اسلئے سرکار کی خدمت میں اعتراض کی بجائے محض استفسار گذارنے کی توفیق رکھتے ہیں۔ ارباب بست و کشاد مناسب خیال فرمائیں تو ہمارے سوالات کو زیر غور لائیں اور مزید کرم فرمائیں تو ان کے جوابات بھی مرحمت فرمائیں۔

(۱) کتنے اراکین اسمبلی و سینٹ قرآن کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اگر مفہوم نہیں سمجھ سکتے تو کتنے لوگ ایسے ہیں جو قرآن پاک ناظرہ پڑھ سکتے ہیں؟

(۲) فہم قرآن کے بغیر شریعت کیسے نافذ ہو سکتی ہے؟ ملک کا موجودہ نظام تعلیم کتنے ایسے طالب علم پیدا کر رہا ہے جو شرعی اصول و قوانین پر عبور رکھتے ہوں؟

(۳) تمام بڑے عہدوں پر فائز افسران، شرعی قوانین سے کس قدر واقف ہیں؟

(۴) کیا شریعت بل کے پاس ہونے سے شریعت آچکی؟ کیا اب چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟
زانی کو سنگسار کیا جائے گا، بھوکے کو روٹی دی جائے گی، بے روزگار کو روزگار ملے گا؟
عورت کو تحفظ ملے گا اور شہریوں کے جان و مال کی حفاظت ہوگی؟

(۵) شریعت کے نفاذ کے نام پر قوم کی اکثریت کے فکر و عقیدہ کی پامالی اور استحصال اسلام، جمہوریت، انسانیت یا دنیا کے کسی بھی آئین شرافت کی رو سے کہاں تک درست ہے؟ افتراق اور طبقاتیت کو ہوا دے کر "متفقہ شریعت" کے نفاذ کی بات کرنا ایمان کی علامت ہے یا نفاق کی؟

(۶) سرکار کی ترجیحات میں مسئلہ نفاذ شریعت کونسے نمبر پر ہے۔ مسئلہ کشمیر سے پہلے یا بعد؟

(۷) اس الزام میں کتنی صداقت ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا؟

بنام مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ، حکومت (عوام کی عوام پر)!   بھنو تو جرو

ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ سَبَّ الْاَنْبِیَاءَ قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ جُلِدَ

جو انبیاء کو گالی دے قتل کر دیا جائے، اور جو میرے صحابہ کو گالی دے کوڑوں سے

سید محمد ذوالکفل بخاری

حسنِ انتقاد

درسِ حرم (جلد اوّل) تالیف: مولانا محمد مکی حجازی مدظلہ
(استاذ مسجد الحرام مکہ مکرمہ)

ضخامت: ۳۰۰ صفحات، کتابت، طباعت: عمدہ - اہتمام اشاعت: دارالاشاعت کراچی ۱

حکیم و شاعر اقبال نے کہا تھا

حرم کے پاس کوئی اعجمی ہے زمزمہ سنج
کہ تار تار ہوئے جامہ ہائے احرامی

اس شعر کا حقیقی تناظر جو بھی رہا ہو "درسِ حرم" کے مطالعہ کے دوران اس احساس کا غالب آجانا میرے لئے امر واقعہ ہی ہے "مہبط الوحی، مرکز رشد و ہدایت، منبع برکت و سعادت" مسجد حرام میں درس قرآن و حدیث اور تدریس و ارشاد اور دعوت و اصلاح کے سلسلۂ مبارکہ سے حجاج کرام اور زائرین حرم تو برس ہا برس سے مستفید ہو رہے ہیں لیکن اب ان عربی اور اردو دروس کی شہرت اور ان کے اثرات کی برکت، عرب و عجم کے اماکن اور قریب و بعید کے بلادِ اسلامیہ میں بھی پھیلتی جا رہی ہے۔ یوں گویا مولانا محمد مکی حجازی مدظلہ اپنی ذات اور خدمات کے حوالہ سے جس قدر معروف ہیں اسی قدر محترم بھی ہیں۔

ہر خطیب، واعظ، مبلغ، مقرر یا فی الجملہ ہر متکلم کے لئے دورانِ کلام اسلوبِ اظہار کے دو دھاروں میں سے ایک کا انتخاب یا ترجیح "لابدی" سا مسئلہ ہوتا ہے۔ آسان لفظوں میں ہم انہیں علمیت اور عوامیت سے مملو اسالیب ہی کہیں گے۔ لیکن کامیاب متکلم وہی گردانا جاتا ہے جو ان دونوں دھاروں سے اس طور انسلاک قائم رکھے کہ اس کی قوتِ اظہار طبقاتی تنگناؤں کی تحدیدات میں اپنا بہاؤ کھو کر نہ رہ جائے "درسِ حرم" کے علمی رنگ اور عوامی آہنگ کو دیکھ کر تکلم کی اسی اصل روح تک رسائی اور اس کے وصل کی بے پناہ شادکامی اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ پھر خصوصاً آج کے دور کے تناظر میں کہ جہاں علمیت "فقیہانِ حرم کی بے توفیقی" کا نام ہو کے رہ گئی ہے اور شاعر کا یہ احساس امت مسلمہ کی گذشتہ و آئندہ صدیوں پر محیط المیہ بن گیا ہے کہ

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم
دلِ جنید و نگاہِ غزالی و رازی

اور ادھر عوامیت کا حال بھی اتنا پتلا ہے کہ وہ اپنے خود رد اعتبارات اور معاصر علمیت کی رعایات کے جلو میں اسلامیت کے اس "نقطۂ معراج" کی طرف گرم سفر ہے کہ جس کی حقیقت اس کے سوا کچھ بھی تو نہیں۔

کمالِ جوشِ جنوں میں رہا میں گرم طواف
خدا کا شکر سلامت رہا حرم کا غلاف

ایسے ماحول میں، ایسی رُت میں اور ایسے دور میں اللہ کا ایک بندہ مسلسل گذشتہ سترہ برس سے حرمِ بیت اللہ میں دین و شریعت کی روشن اور مطہر تعلیمات کے اثرات سے آلودگانِ رسوم و بدعات، دلدادگانِ روایات و خرافات اور فریب خوردگان اوہام و مجازات کے جسم و جان اور دل و نگاہ کو مسلمان کر رہا ہے۔ اس کی گرمیٔ گفتار کا ماصدق اور ماحصل وہی کلمۂ حق ہے جو اسے اپنے قافلۂ اسلاف سے ورثہ میں ملا ہے۔ کہ اسی کی روشنی میں چلتے ہوئے اس نے اپنا "قافلۂ افکار" ترتیب دیا ہے۔ "دروسِ حرم" کو اس قافلۂ افکار کا "مقدمۃ الجیش" سمجھ لیجئے۔ اس کتاب میں شرک فی الحلف، شرک فی الحج، شرک فی استلام الحجر الاسود، شرک فی المجاورۃ و الاعتکاف اور مسائل حاضر و ناظر، علم الغیب، قدرت و مشیئت۔ شفاعت و بخشش، نور و بشر، گیارھویں شریف وغیرہ کے متعلق اتنا کچھ سمو دیا گیا ہے۔ کہ ان موضوعات پر یہ کتاب سینکڑوں کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ بلقیناً ایسی کتابوں کی ضرورت اس وقت تک موجود رہے گی جب تک لوگوں کو اسلام اور ایمان کی بجائے "کنز الایمان" کے قبول کرنے کی دعوت دی جاتی رہے گی۔ لیکن میں دست بستہ یہ بھی عرض کروں گا کہ "دروسِ حرم" کی جلد ثانی میں نئے دور اور نئے حالات کی مناسبت سے کچھ دوسرے عناوین پر روشنی ڈالی جائے۔ نکبت و ادبار کے بادلوں کو اڑا کر لاتی ہوئی ہواؤں کے رخ سے اور "بے حرم فرنگی تہذیب" کی خفیہ یورش سے بھی "اہل حرم" کو خبردار کیا جائے خصوصاً "خدامِ حرم" سے اتنی سی گذارش کرنے میں کیا حرج ہے؟ کہ

ہو تری خاک کے ہر ذرے سے تعمیرِ حرم
دل کو بیگانۂ اندازِ کلیسائی کر!

نمائندہ خصوصی
ملتان سے

سانحہ کربلا یہودانِ خیبر اور مجوسانِ ایران کی سازش کا نتیجہ ہے۔
صحابہ کرام مجتہد مطلق ہیں۔ کسی غیر صحابی کو ان پر تنقید کا حق نہیں ہے۔
سترویں سالانہ مجلس ذکر حسین سے سید عطاء المحسن بخاری، سید عطاء المؤمن بخاری، ابوسفیان تائب، مولانا محمد مغیرہ، مولانا محمد اسحق سلیمی، قاری محمد حنیف جالندھری اور سید کفیل بخاری کا خطاب

دار بنی ہاشم میں ۱۰ محرم کو حسب سابق سترویں سالانہ مجلس ذکر حسین منعقد ہوئی ملتان میں مومنین کا یہ سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ مجلس صبح ۱۰ بجے ختم قرآن کریم کے بابرکت عمل سے شروع ہوئی اور شام چھ بجے تک جاری رہی۔ پہلی نشست سے ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری، مولانا محمد مغیرہ ابوسفیان تائب اور سید کفیل بخاری نے خطاب کیا۔ جبکہ دوسری نشست سے ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مولانا محمد اسحق سلیمی اور قاری محمد حنیف جالندھری نے خطاب کیا۔ سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہ نے سانحہ کربلا کے تناظر میں شیعیت، یہودیت اور مجوسیت کے سیاسی، تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی کردار پر انتہائی مدلل گفتگو فرمائی اور دشمنان اسلام کی گھناؤنی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہودیوں اور مجوسیوں نے مختلف حوالوں سے اپنی محرومیوں اور شکستوں کا انتقام لیا۔ سانحہ کربلا ان کی سازشوں کی انتہا ہے۔ سیدنا حسینؓ کو جس دھوکہ دہی سے شہید کیا گیا وہ منافقین عجم کا طرہ امتیاز ہے۔ سیدنا حسینؓ کے پیش نظر کبھی بھی بنوامیہ اور بنوہاشم کی تفریق نہیں رہی۔ خاندان نبوت کی روایات کی پاسداری میں انہوں نے نسبی و ایمانی مراسم کی وہ نظیر قائم کی جو بجائے خود ایک اسوہ اور ایک معیار ہے۔ سیدنا حسینؓ نے اجتہاد فرمایا اور اپنے منصب کے اعتبار سے انہیں اس کا حق تھا۔ وہ شہید غیرت ہیں۔ بے شک ان پر ظلم ہوا اور کوئی مسلمان انکی مظلومانہ شہادت سے انکار نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ سانحہ کربلا کو حق و باطل اور کفر و اسلام کا معرکہ قرار دینے پر مصر ہیں اور اسے جہاد منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اس کے لئے تاریخ کی جعلی اور مکذوبہ روایات کے سہارے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خواہ اس کوشش میں انہیں کتنے ہی صحابہ کرام کی اہانت و تکذیب کرنی پڑے۔ تاریخ کے راستے سے اعتقادات میں رسوخ پیدا کرنے والے فریب کار اور نقب زن ایک تو وہ ہیں کہ جن کے قلب و نظر میں ازواج و اصحاب رسول علیہم الرضوان کے خلاف بغض و عناد شر و فساد اور حسد کے علاوہ کچھ اور ہے ہی نہیں۔ دوسرے وہ ہیں کہ جنہیں اہل سنت ہونے کا بے ثبوت دعوی ہے اور جن کی شپر چشمی کے عبرتناک مظاہر نے بذات خود تاریخ میں کئی الٹیوں کو راہ دی ہے۔ تاریخ ہمارے لئے حجت ہے نہ معیار اور نہ معتبر! اس لئے ہمیں کسی فلسفہ تاریخ کی احتیاج نہیں۔ ہمارے لئے کلام ربانی اور ارشاد نبوی ہی حجت، معیار اور معتبر ہے۔ یہی حق اور عین حق ہے۔ اسی کا نام دین ہے۔ پھر اس حق کے فکری و عملی اظہار کا معیار حقیقی صرف اور صرف صحابہ کرام ہیں۔ دین کی تفہیم و تشریح اس وقت ناممکن ہے جب صحابہ کرام کو معیار حق نہ سمجھا جائے۔ وہی تو ہیں جو پروردگان رسالت ہیں۔

صحابہ محبت اور اطاعت رسول میں بے پناہ ہیں۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منشار ہیں۔ صحابہ کرام سے بلاامتیاز محبت اور ان کے منصب کا تحفظ ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ اسی لئے اسلام کے نظام عقائد و افکار کو تلپٹ کرنے کے خواہاں سبائی و مجوسی ایجنٹ ہمیشہ سے صحابہ کرام کے خلاف زبان طعن دراز کر رہے ہیں۔ اور کلب ابن سبا کی طرح بھونک رہے ہیں۔ خواہ یہ لوگ نام نہاد فلاسفہ و مناطقہ ہوں یا متکلمین و مؤرخین، پیر ہوں یا گدی نشین غرض و تقدس مآبی کے کسی بھی روپ میں ہوں ہمارے نزدیک قابل معافی نہیں ہیں۔ جو فکر و نظریہ اور تعبیر صحابہ کرام کے متعلق کسی بھی بدگمانی یا بدکلامی کا سبب بنے سراسر کفر اور باطل ہے۔ اور اس

فکر غلیظ کے حامل تمام لوگ مسلمانوں سے الگ ہیں اور کافر ہیں- تاریخ کے بہت سے کاغذی پہلوانوں کو اپنے دجل و تلبیس پر ناز ہے جبکہ اسی تاریخ کے مضبوط حوالوں سے ایسے چند جاہل اور خناس لوگوں کو زندہ در گور کیا جاسکتا ہے- اللہ کے نزدیک دین میں جو تقدس قرآن و حدیث کو حاصل ہے- وہ تاریخ کو ہرگز میسر نہیں آسکتا- سبائیوں اور ایرانی مجوسیوں نے ہر شعبے میں دین کو نقصان پہنچایا ہے- کبھی سیدنا علی کی فوج کا کمانڈر بن کر مسلمانوں کو آپس میں بھڑایا اور کبھی کربلا میں آتش انتقام ٹھنڈی کی کبھی ہمایوں کے ذریعہ برصغیر میں شیعہ مذہب کی ترویج کیلئے راہیں نکالیں کبھی میر جعفر پیدا کیا اور کبھی سلطان ٹیپو شہید کیا- آپ پہلی صدی سے لیکر آج تک دین اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کا کھوج لگائیں تو یہی لوگ نمایاں نظر آئیں گے-

سید عطاء المومن بخاری نے آخر میں کہا کہ ہمارے نزدیک سانحہ کربلا کفر واسلام کا معرکہ نہیں تھا- بلکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی یہودی و مجوسی سازش کا شاخسانہ تھا- سیدنا حسینؓ حق پر تھے اور انہوں نے اپنی تین شرطوں اور پھر آخری خطبہ میں دشمن کو بے نقاب اور نامزد کرکے جس حق کا اظہار فرمایا وہ اس سانحہ کے اصل کرداروں کو سمجھنے کیلئے کافی ہے-

دوسری نشست میں ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا- کہ سب کے سب صحابہ کرام دانائے سبل، فخرالرسل اور مولائے کل علیہ الصلوۃ والسلام کے پروردہ ہیں کہ جن کا حکم حکم الہی، کلام کلام الہی اور عمل منتہائے ربی ہے- مولائے کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے تین لاکھ سے متجاوز قدسی صفت صحابہ کی جماعت گراں مایہ میں فکرو نظر اور شعور و احساس کا وہ نور منتقل کیا کہ جو قیامت تک امت رسول کیلئے ہدایت اور حریت کے راستوں کو اجالتا رہے گا- اسوۂ حسینی میں اسوۂ رسالت کا یہی نورانی عکس نمایاں تر ہے- سیدنا حسینؓ نے جہاں غیرت ایمانی کو نیا مفہوم عطا کیا ہے وہاں انہوں نے منافقین کے اس گروہ کو ہمیشہ کے لئے رسوا کردیا ہے کہ جو ان کے نانا کے دین کے درپے آزاد ہو کر خلافت عثمانی پر مہلک وار کرچکا تھا-

سیدنا حسینؓ کا اسوہ مقام صحابیت کی تفسیر ہے اور اس سے اس ارشاد نبوی کی صداقت پر ایمان قوی ہوجاتا ہے کہ جماعت صحابہ کا ہر ہر فرد قیامت تک امت رسول کے لئے ذریعہ ہدایت ہے وہ سب آسمان نبوت کے روشن ستارے ہیں- وہ سب مومنین کاملین ہیں- صحابہ کے ایمان کی گواہی خود اللہ نے کلام اللہ میں دی- منافقت اور ایمان کی راہیں متضاد اور جدا جدا ہیں- جو لوگ منافقت کا روپ دھار کر صحابہ کی جماعت میں داخل ہوئے اللہ نے وحی کے ذریعے نبی کریم پر انکی منافقت واضح کردی تھی- حضور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کا نام لے لے کر انہیں اپنی جماعت سے باہر نکال دیا تھا- اس فیصلۂ رسول کے بعد کسی صحابی رسول کے ایمان میں شک کا اظہار بجائے خود منافقت ہے-

حادثہ کربلا کے پس منظر میں یہودیوں، سبائیوں اور مجوسیوں کی منافقانہ سازشیں کارفرما تھیں- خیبر کی شکست، جزیرۃ العرب سے انخلاء- اور اپنے اقتدار کے چکنا چور ہونے کے بعد یہودیوں نے امت مسلمہ میں انتشار افتراق کی گہری سازشیں شروع کردی تھیں اور وہ اسلامی حکومت کے استحکام اور تیزی سے بڑھتی ہوئی فتوحات سے خوفزدہ ہو کر انتقام پر اتر آئے تھے- ادھر ایرانی مجوسیوں کو اقتدار کسری کے ملیامیٹ ہوجانے کے کبھی نہ مندمل ہونے والے زخم چاٹنے کی مصروفیت تھی- انہی دو نمایاں عناصر کو ایک حسبی نسبی یہودی مسٹر عبداللہ ابن سبا جیسا شرر دماغ سازشی میسر آیا جس نے شہید مظلوم سیدنا حسینؓ کی شہادت تک مرکزی کردار ادا کیا-

سیدنا حسینؓ نے اگر امیر یزید کی بیعت نہیں کی تو ان کا یہ اجتہادی حق تھا- اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر صحابی مجتہد مطلق ہوتا ہے- اور مجتہد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر قائم رہے یا رجوع کرے- دونوں صورتوں میں ثواب کا مستحق ہوتا ہے- اب ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ کے اجتہادی موقف کے صاف برعکس اسلامی حکومت کے پینتالیس صوبوں کے مسلمانوں نے مکمل اتفاق سے امیر یزید کی بیعت کی- اور انہیں اپنا خلیفہ منتخب کیا- ان میں "بدر" "واحد" کے صحابہ بھی موجود تھے- اور ان صحابہ نے کسی جبر کے تحت بیعت نہیں کی کہ اس کا تصور بھی اپنے ایمان کا ضائع کرنے کے مترادف ہے- کوفہ کے شیعان علیؓ نے سیدنا حسینؓ کو خطوط لکھے اور تخت خلافت پر متمکن ہونے کی دعوت دی یہی کوفہ پہلے سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ کو دھوکہ دیکر شہید کرچکے تھے- چنانچہ سیدنا حسینؓ نے سیدنا مسلم بن عقیلؓ کو جائزہ لینے کیلئے کوفہ بھیجا تو حسب دستور سابق کوفیوں نے انہیں بھی شہید کر دیا- حضرت حسینؓ کوفہ روانہ ہوچکے تھے- کہ راستے میں "ثعلبیہ" کے مقام پر شہادت مسلم سے مطلع ہوئے- وہیں آپ نے اپنے

سابقہ موقف سے رجوع کر کے امیر یزید سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا اور اسی مقام سے کوفہ کی بجائے شام کی طرف سفر شروع کر دیا۔

ابن زیاد اور شمر------- حضرت مسلم بن عقیل کے قتل میں شریک تھے اور دونوں نے سمجھ لیا تھا کہ اگر سیدنا حسینؓ امیر یزید کے پاس پہنچ گئے تو مفاہمت ہو جائے گی۔ اور قاتلان مسلم کو سزا مل کے رہے گی چنانچہ ان دونوں نے سیدنا حسینؓ کا راستہ روکا اور اپنے ہاتھ پر یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس پر سیدنا حسینؓ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! یہ تو میری موت کے بعد ہی ممکن ہے کہ میں تمہارے ہاتھ پر یزید کی بیعت کروں" سیدنا حسینؓ کا یہ فیصلہ عین حق تھا اور غیرت حسین کا تقاضا تھا اس کے بعد شمر اور ابن زیاد نے ظلم کیا اور سیدنا حسینؓ کو شہید کر دیا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مکہ سے ثعلبیہ تک کا سفر سیدنا حسین نے خلافت کے لئے فرمایا کہ ان کے نزدیک عراق میں امیر یزید کی بیعت خلافت تب تک منعقد نہ ہوئی تھی لیکن یہ اطلاع کوفیوں کی کہہ مکرنی ثابت ہوئی اور سیدنا حسینؓ کو یقین ہو گیا کہ امیر یزید کی خلافت متحقق ہو چکی ہے۔ چنانچہ آپ مفاہمت اور قصاص مسلم کے لئے کوفہ کی بجائے شام کو ہو لئے۔ یوں کربلا کا سفر، سفر قصاص ہے اور ان سب باتوں کو تائید و تقویت میدان کربلا میں پیش کردہ سیدنا حسینؓ کی ان تین شرائط سے ملتی ہے جو آپ نے جناب عمر بن سعدؓ کے سامنے پیش فرمائیں۔ اور پیش کش فرمائی کہ یا مجھے مکہ کو پلٹ جانے دو یا سرحدوں کو نکل جانے دو کہ عساکر اسلام کا ہمرکاب ہو کر مصروف جہاد ہو جاؤں اور یا مجھے یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اس سے معاملات طے کروں۔ اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں آخر وہ میرا چچا [illegible] ہے۔ یہی وہ تین شرائط ہیں۔ جو اہل سنت کیلئے فیصلہ کا معیار ہیں۔ اصل مجرموں کی شناخت کے لئے بھی یہیں سے حقیقی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ ان شرائط کو ائمہ اہلسنت کے علاوہ ائمہ اہل تشیع بھی تسلیم کرتے ہیں------ لہذا ان تین شرائط کے مطالعہ کے بعد کسی قصے، کہانی یا افسانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور حقائق کھل کر، ابھر کر نکھر کر اور نتھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

آج جو لوگ بھی آل رسول اور اہل بیت رسول کا واسطہ دیکر منافقت کا انتہائی گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ حق و باطل کے خانہ ساز معرکے اشمار رہے ہیں۔ اور فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں۔ ان کی ساری خرمستیاں سبائی دولت، اشتری حیلوں، حکیمی تجبر اور مختاری چالوں کی مظہر کامل ہیں۔ یہود و مجوس کی ساری تگ و دو اس نکتہ پر مرتکز و مرکوز ہے کہ تاریخ، ادب، سیاسیات، سماجیات اور اعتقادات کے ہر ہر گوشے میں شرک اور نفاق کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے خانوادہ نبوت کے خود ساختہ بت کھڑے کر دیئے جائیں۔ میدان جنگ میں عبرتناک شکست اور ذلت سامان موت سے پے در پے دوچار ہونیوالے اعدائے خدا اور رسول کے پاس یہی ایک انتقامی حربہ تھا جو پوری قوت سے اور مسلسل آزمایا گیا اور آزمانے والے وہی تھے کہ فتنہ و سازش اور شرک و نفاق جن کی فطرت و طنیت، ضمیر و خمیر، سرشت و خصال اور فکر و نہاد کے اجزائے ترکیبی ہے۔

بندگی بوتراب اور محبت آل رسول و اہلبیت اطہار کا نعرہ سرزمین عجم کو اسی لئے خوش آیا کہ یہاں صنم پرستی، شاہ پرستی اور شخصیت پرستی مزاجوں کا حصہ ہو چکی ہے۔ اجرام فلکی سے لیکر حشرات ارضی تک کونسی چیز ہے جو عبادت و ریاضت کی سزاوار نہ تھی۔ بندگی طاقت و دولت، آئین ہائے کہنہ و نو کے متن واحد کا درجہ رکھتی تھی۔ ایسی رت میں ایسے ماحول میں اور ایسے موسم میں خبیثانِ عجم یہود دان خیبر اور مجوسان ایران و فارس کے لئے سازگاری ہی سازگاری تھی۔ چنانچہ ملت ابراہیمی کی عالمگیر وحدت کو پارہ پارہ، امت محمدیہ کی ابدی شوکت و سطوت کو مجروح و مسخ کرنے کیلئے ایک متوازی اور متضاد دین ایجاد کیا گیا۔ دین عجم کے پجاری گزشتہ تیرہ سو سال سے اسلام کے صدر دوں میں اپنی جانکاہ ہزیمتوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ لیکن یہ دین اسلام ہے کہ خون صحابہ اور اسوہ آثار صحابہ اس کے قابل تسخیر قلعہ کی فصیلیں ہو گئے ہیں۔

آپ نے آخر میں کہا کہ سانحہ کربلا کے سلسلہ میں اہل سنت کا اجماعی موقف یہ ہے کہ سیدنا حسینؓ کو ٹھیک اسطرح دھوکہ دیا گیا جس طرح سیدنا علیؓ کو دھوکہ دیکر شہید کیا گیا۔ اس سانحہ عظیم اور حادثہ فاجع کو سمجھنے اور حقیقی سازشی کرداروں سے آگاہی کیلئے شہادت سیدنا عثمانؓ کے محرکات اور اسباب و عوامل کو جانچنا ضروری ہے۔ سیدنا حسینؓ نے خود فرمایا کہ "وہ دھوکہ کا شکار ہوئے ہیں اور انہیں شیعوں نے تباہ کر دیا ہے۔ ہمارا موقف بڑا واضح اور دو ٹوک ہے۔ ہمارا ایک ہی سوال ہے کہ جن صحابہ نے امیر یزید کی بیعت کی اس کے پیچھے نمازیں ادا کیں۔ اسکی کمان میں جہاد کیا اور اس سے ہدایہ و نذرانے وصول کئے ان کے ایمان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے اور ان میں سیدنا حسینؓ کے بھائی محمد بن علی (محمد بن حنفیہ) بھی شامل ہیں۔ ہمیں خارجی کہنے والے بزدل پہلے ان صحابہ کو خارجی کہنے کی جرأت کریں۔ یا اپنی غلیظ زبانوں کو بند کریں۔ ورنہ حقائق خود بخود ان کی دراز زبانوں کو لگام دے دیں گے۔

بقیہ از ص ۵۵

خاندان امیر شریعت سے پر خلوص لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ اماں جی (اہلیہ امیر شریعت) کی وفات کا سن کر تکلیف کی حالت میں جنازہ میں شرکت کیلئے ملتان روانہ ہوگئے۔ گھر والوں نے روکا کہ سینہ میں تکلیف ہے۔ سفر میں شدید ہو سکتی ہے۔ صحت ٹھیک ہو جائے تو پھر چلے جانا۔ مگر انہوں نے جواباً کہا کہ وہ ملتان ضرور جائیگا۔ خواہ وہ دوران سفر ہی فوت ہو جائے۔

ایسے مخلص کارکن ہی قوموں اور جماعتوں کی زندگی ہوتے ہیں۔ جماعتیں انہی کے ایثار اور محنت و خلوص سے پروان چڑھتی ہیں۔ اور انہی کے دم قدم سے جماعتیں پھلتی پھولتی ہیں

افسوس! مفاد پرستی کی سیاست نے ایسے قومی کارکنوں کو یکسر نظر انداز کرنے کے رجحان کو تقویت دی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب تربیت سے محروم سیاسی کارکن اخلاق سے عاری اور خلوص سے تہی دامن ہیں۔ بدر مرحوم ایک تربیت یافتہ۔ خوش اخلاق مخلص اور غیرت مند مسلمان تھے۔ اللہ تعالی ان کی دینی خدمات و حسنات قبول فرمائے اور ان کی قبر کو بہشت کا باغ بنائے۔ (آمین)

بقیہ از ص ۳۹

دونوں ساتھیوں کے ساتھ سُلادے گا کیونکہ میں نے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور ابوبکرؓ، عمرؓ نے یہ کام کیا میں اور ابوبکر، عمر فلاں جگہ داخل ہوئے غرضیکہ آپ ہر کام میں ان دونوں کو شریک کر لیتے تھے۔ (ابن ماجہ)

یا اللہ مدد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،
من جاء بالحسنة فله عشر امثالها
(القرآن)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
خیرکم من تعلم القرآن وعلمه
(الحدیث)

زیر تعمیر جامع مسجد
مدرسہ دار العلوم، حسین خیل پٹھان

عزیز حضرات مدرسہ و مسجد کی تعمیر کے اس کار خیر میں بھرپور حصہ لیں، دینی مراکز کو مضبوط کریں، تاکہ خدمت و اقامت دین کا مقدس فریضہ بہتر طور پر سرانجام دیا جا سکے!

خلافت راشدہ
خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق
سیدنا عمر فاروق
سیدنا عثمان
سیدنا علی المرتضیٰ
سیدنا حسن مجتبیٰ
سیدنا معاویہ
رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

ترسیل زر کے لئے (۱) بذریعہ بینک ڈرافٹ یا چیک اکاؤنٹ نمبر ۹۰۲۰ یو بی ایل بھکر۔ ۲۔ بذریعہ منی آرڈر یا نقد و دستی۔ یا درج ذیل پتہ پر بھیجیں!

خادم علماء دیوبند، حضرت مولانا غلام حسن خان، خطیب و مہتمم مدرسہ دار العلوم، حسین خیل پٹھان، مقام و ڈاکخانہ چھینہ ڈگر، تحصیل و ضلع بھکر!

انتخاب: الحاج محمد محسن چغتائی مدظلہٗ

تابعین کرامؒ کی باتیں

حضرت علقمہ بن قیس

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے۔ فضل و کمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے ممتاز تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے بہت سے صحابہ کرام سے روایات کی ہیں بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعود کے سرچشمۂ فیض سے زیادہ مستفید ہوئے۔

حدیث کے وہ نہایت ممتاز حفاظ میں سے تھے حافظہ بہت قوی تھا، جو چیز ایک دفعہ یاد کر لی وہ گویا کتاب میں محفوظ ہو گئی۔

قرآن کے ساتھ ان کو غیر معمولی شغف اور انہماک تھا۔ معمولاً چھ دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے کبھی کبھی ایک ایک رات میں پورا قرآن تمام کر دیتے تھے۔ ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ علقمہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ گئے۔ شب کے وقت انہوں نے طواف شروع کیا پہلے سات پھیروں میں انہوں نے طوال ختم کیں دوسرے سات پھیروں میں مئین، تیسرے سات پھیروں میں مثانی اور چوتھے میں بقیہ سورتیں ختم کیں۔ اس طرح انہوں نے ایک شب میں طواف کی حالت میں پورا قرآن ختم کر دیا۔

ابوالعالیہ ریاحی

رفیع نام۔ ابوالعالیہ کنیت تھی۔ اور والد کا نام مہران تھا۔ قبیلہ بنی ریاح کی ایک عورت کے غلام تھے۔ اس نسبت سے ریاحی کہلاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دو سال بعد اسلام لائے اور قبول اسلام کے بعد ایک عرصہ تک غلامی میں رہے۔ لیکن دینی تعلیم کی طرف اسطرح متوجہ رہے۔ کہ قرآن اور عربی کی کتابت سیکھتے تھے ان کا بیان ہے کہ جمعہ کے ایک دن وہ عورت ان کو جامع مسجد میں اپنے ہمراہ لے گئی۔ مسجد میں پہنچنے کے بعد امام نے ہم کو منبر پر کھڑا کر دیا عورت نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان الفاظ میں آزادی کا اعلان کیا۔ خدایا میں تیرے پاس اس کو (آخرت کے لئے) جمع کرتی ہوں۔ مسجد والو گواہ رہنا۔ یہ غلام خدا کے لئے آزاد ہے۔ آئندہ حق معروف کے علاوہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے آزاد چھوڑ کر چلی گئی۔ اس کے بعد وہ نہیں دکھائی دی۔ آزادی کے بعد آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، ابی بن کعب، انس بن مالک، ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ سے علمی استفادہ شروع کر دیا اور پھر کبار تابعین میں شمار ہوئے۔ عبادات میں اس قدر شغف تھا کہ بعض اوقات رات بھر جاگ کر پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔ لیکن رہبانیت سے احتراز تھا۔ ایک مرتبہ ابو امیہ عبدالکریم ان سے ملنے آئے۔ ابو امیہ کے بدن پر صوف کے کپڑے تھے۔ ان کو دیکھ کر ابوالعالیہ نے کہا یہ راہبوں کا لباس و طریقہ ہے مسلمان جب آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کے لئے جاتے ہیں تو اچھے لباس میں جاتے ہیں۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کی طرف سے

خوشخبری

حضرات گرامی ! اس پرفتن دور میں جبکہ ہر طرف کفر و ضلالت کے بادل محیط ہیں ۔ غلط نظریات ، غلط عقائد اور نسل نو کو تباہ کرنیوالا لٹریچر ہمارے معاشرے کے لئے ناسور بن چکا ہے ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے کے افراد اور ہر گھر کو شر و فتن سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے ۔ جامعہ خیر المدارس کی طرف سے **خیر الفتاویٰ** جلد دوم کی اشاعت اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جس میں اسلامی عقائد و اخلاق ، نکاح طلاق و وراثت ، طہارت ، نماز ، زکوٰۃ ، آداب طعام و لباس ، احکام صوم و عیدین ، مناسک حج ، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفصیل ، غمی ، شادی ، اسلامی آداب ، ایمان ، غرض زندگی میں پیش آنیوالے تمام مسائل اور ان کا مل سوال جواب کے نہایت دلنشین انداز اور سلیس زبان میں پیش کیا گیا ہے ۔

خصوصیات

- جید علماء کرام اور مفتیان عظام کی چالیس سالہ علمی تحقیق سے انتخاب
- افراط و تفریط میں راہ اعتدال

- جس میں ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے مدلل اور مبرہن
- زندگی کے ہر شعبہ اور موڑ کے لئے ایک بہترین کتاب
- نوجوانوں ، بوڑھوں ، مرد و عورت کے لئے یکساں مفید اور ضروری
- بچیوں کو جہیز میں دینے کیلئے ایک بہترین تحفہ
- ۸۰۸ صفحات پر مشتمل عمدہ پرنٹنگ آفسٹ پیپر
- خوبصورت ڈائی دار جلد سے مزین

مکتبۃ الخیر جامعہ خیر المدارس ملتان

فون نمبرز : ٣٢٧٨٣ ، ٤٤٤٤٠

برصغیر کے نامور ادیب ، دانشور ، اور سیاست دان مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ کے تین نایاب ادبی شاہکار

• معشوقۂ پنجاب • شعور • دیہاتی رومان ۔ کا مجموعہ شعور کے نام سے یکجا کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے ۔ قیمت ۔/٢٥ روپے

ملنے کا پتہ ! بخاری اکیڈمی ، دار بنی ہاشم ، مہربان کالونی ملتان

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے۔!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ — مجلسِ احرارِ اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریکِ ختمِ نبوّت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمتِ مُسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابرِ احرار نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ ملک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یُوں ہے:

★ مدرسہ معمورہ — مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان —

★ مدرسہ معمورہ — دارِ بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان - فون: ۲۸۱۳۷

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ — ناگڑیاں ضلع گجرات —

★ جامعہ ختمِ نبوّت — مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ - فون نمبر: ۸۸۶ —

★ مدرسہ ختمِ نبوّت — سرگودھا روڈ ربوہ —

★ دارُالعُلوم ختمِ نبوّت — چیچہ وطنی - فون نمبر: ۲۹۵۳-۲۱۱۲ —

★ مدرسہ ابوبکر صدّیق — تلہ گنگ ضلع چکوال —

★ یُوکے ختمِ نبوّت مشن — (ہیڈ آفس) گلاسگو برطانیہ —

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان۔ مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو، دفاتر کا قیام۔ بیرونی ممالک میں مُبلغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعا، ہم کرینگے اور اجر اللہ پاک دینگے — آئیے۔ آگے بڑھئے اور اجر کمائیے۔

سیّد عطاءُ المحسن بُخاری مُدیر مدارس التحفیظ و المساجد

دارِ بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ ملتان

ترسیلِ زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان

Monthly
Ph: 72813
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT
Regd No. L8755.
Multan.
Vol. 2 No. 8

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

جامع مسجد ختم نبوت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختم نبوۃ (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

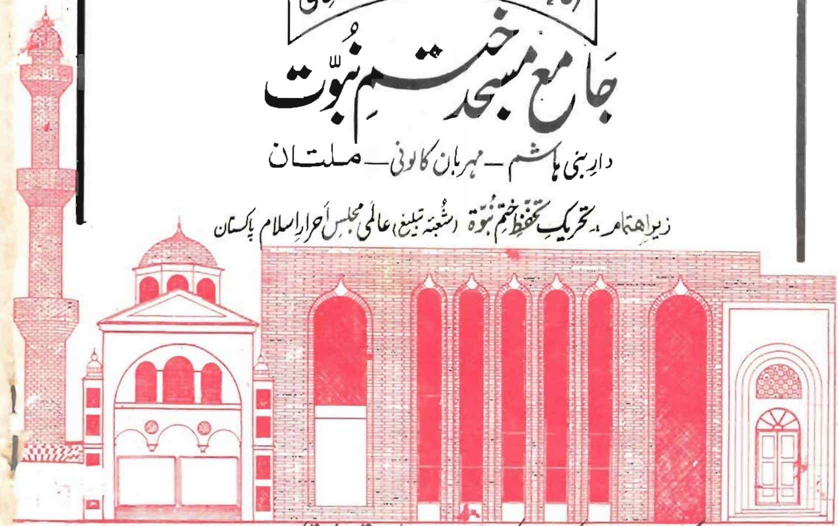

مسجد کی چھت مکمل ہو چکی ہے بقیہ تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصہ
لیں، نقد یا سامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں۔

ترسیلِ زر کے لئے

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری
دارِ بنی ہاشم۔ مہربان کالونی۔ ملتان

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان